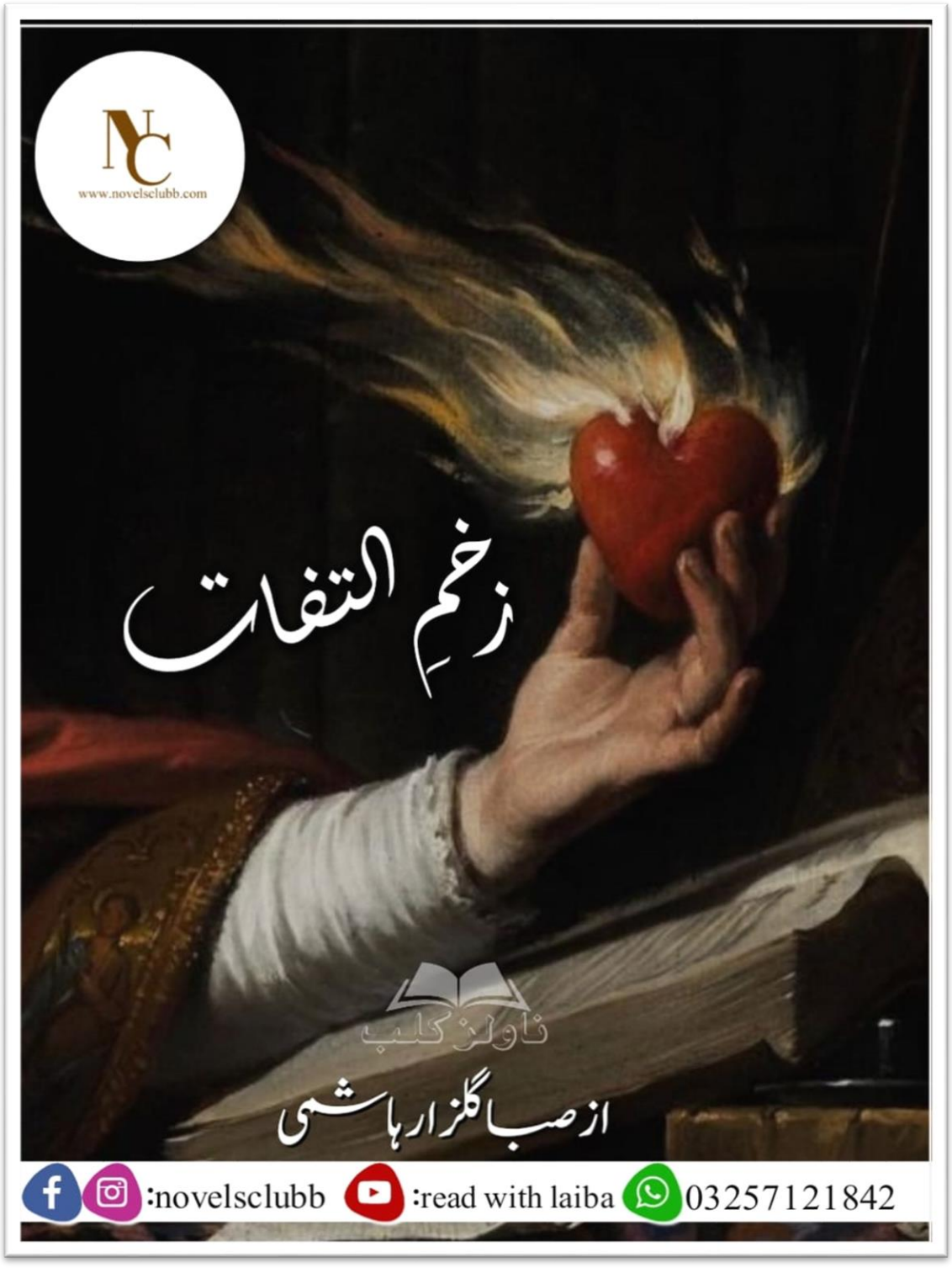
www.novelsclubb.com
زخمِ التفات
ناولز کلب
از صبا گلزار ہاشمی
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

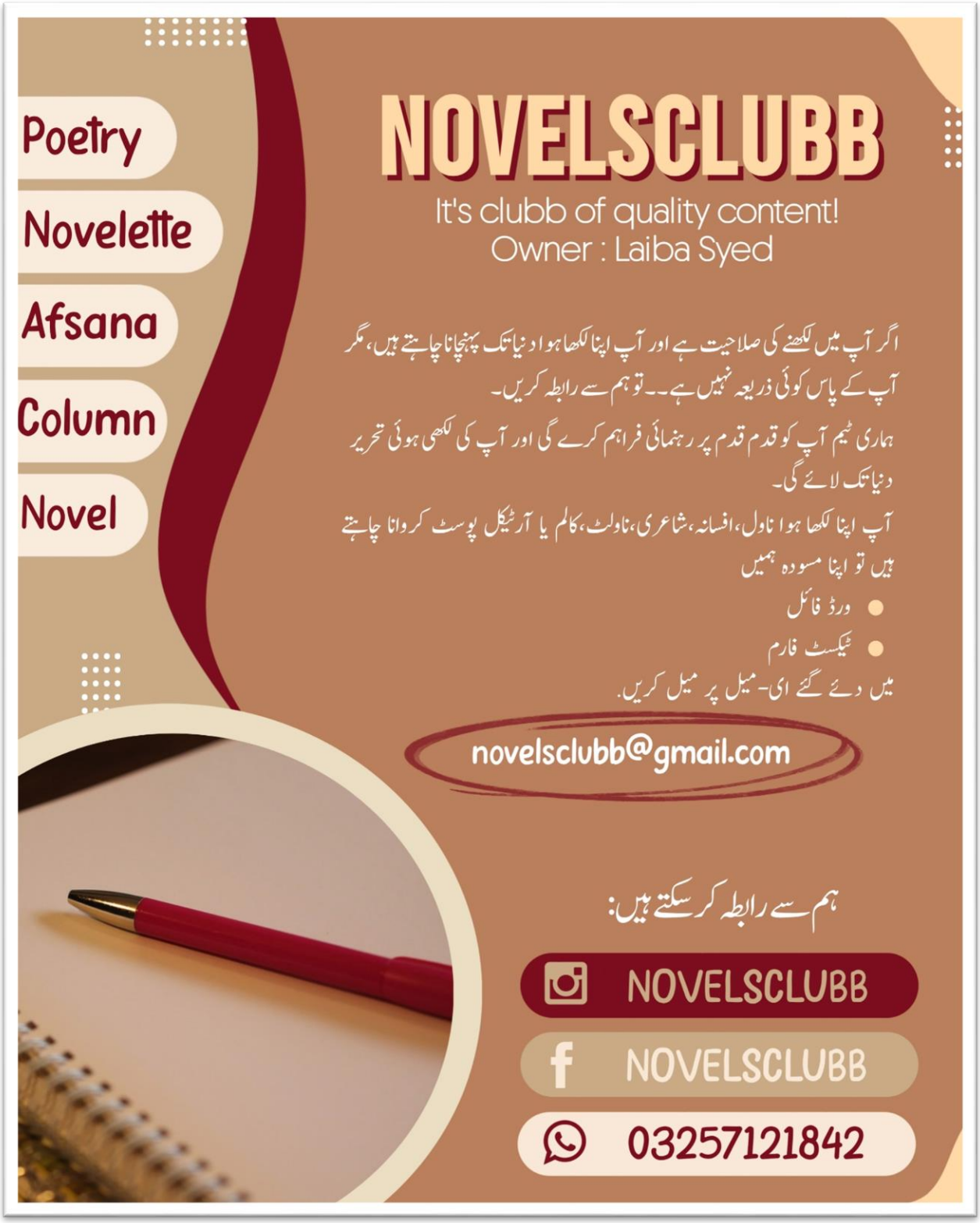
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

زخمِ التفات

از قلم

صبا گلزار ہاشمی

www.novelsclubb.com

کچھ کردار مر جاتے ہیں، کچھ کو مار دیا جاتا ہے، کچھ انصاف کیلئے در در بھٹکتے ہیں اور کچھ بھوک مٹانے کیلئے جتن کرتے ہیں۔ کچھ کرداروں کا قلم خرید کر جھوٹ بیچا جاتا ہے اور کچھ کے ضمیروں کو سلا دیا جاتا ہے۔

اور حکومت قائم رہتی ہے فقط ظلم کی۔

ظلم کبھی مٹتا نہیں ہے۔ اگر اس کو مٹانے کی کوشش کی جائے تو انسان کی نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں لیکن یہ ظلم نئی شکل اختیار کر کے بڑھتا ہی رہتا ہے۔

www.novelsclubb.com

زخمِ التفات

از صباء گلزار ہاشمی

قسط نمبر 2

ایک نئی صبح، آسماں پہ سرمئی بادلوں کا ڈیرا اور انہی بادلوں کی اوٹ میں چھپا سورج۔

اس صبح کی سنہری روشنی سرمئی بادلوں میں کہیں گم تھی۔ ٹھنڈی ہوا میں رچی رنگ برنگے پھولوں کی خوشبو سے فضا مہک اٹھی تھی۔ زمان محل وسیع سبز قطعے میں مغرور سا اپنی پوری آب و تاب سے کھڑا تھا۔ ہوا کے جھونکے اس محل سے ٹکرا کر اپنی مہک چھوڑ جاتے۔ سبز قطعے میں سکیورٹی کی گاڑیاں کھڑی تھیں اور اس کے ارد گرد گارڈز۔

اس محل کے اندر ڈائننگ ایریا میں جھانکو تو صفدر صاحب اپنی نگرانی میں ٹیبل سیٹ کروا رہے۔ کوئی فروٹس رکھنے میں مصروف تو کوئی برتنوں کو ترتیب دے رہا تھا۔

"سر آج کی میٹنگ شرجیل حمدانی کے ساتھ شیڈول ہے۔" اس آواز پہ تمام ملازمین ڈائننگ ٹیبل سے پیچھے ہٹے۔ وہ شہرام تھا زمان جعفر کا سیکرٹری۔

زمان جعفر اپنی سیکرٹری شہرام کے ہمراہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے۔

صفدر صاحب نے ان کی آمد پہ جھٹ سے سر براہی کرسی کھینچی اور وہ کرسی پہ براجمان ہو گئے۔ سفید ڈریس شرٹ پہ نیوی بلیو کوٹ پہنے، بالوں کو پیچھے کی جانب سیٹ کیے وہ کچھ سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے۔

صفدر کے علاوہ باقی سارے ملازمین نظریں جھکائے ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔ تمام ملازمین مخصوص لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔

"اوکے!!" یک لفظی جواب دینے کے بعد زمان صاحب نے نیپ کن سیٹ کیا۔ ایک سنجیدہ سی نظر خالی کرسی پہ ڈالی پھر صفدر صاحب سے مخاطب ہوئے۔

"رمشا نہیں آئی؟؟" انہوں نے سرسری سا پوچھا۔

"جی!! میں نے جگایا نہیں، رات کو ان کا موڈ ٹھیک نہیں تھا۔ شاید تھک گئیں تھیں۔" وہ مؤدب سا سر جھکائے بولا۔

"بلاؤ انہیں!" وہ گلاس میں جوس انڈیلتے ہوئے اسی انداز میں بولے۔

www.novelsclubb.com

"جی صاحب!" وہ سر جھکائے ڈائننگ ایریا سے باہر نکل گئے۔اب اس کا رخ اوپر سیڑھیوں کی جانب تھا۔

گلاس وال ہلکے رنگ کے پردوں سے ڈھکا تھا۔سنہری صبح پردوں کے اطراف سے اندر جھانک رہی تھی۔

کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔وہ متنفس گلاس وال کی جانب پشت کیے تکیے میں چہرہ دیے نیند کی وادیوں میں گم تھا۔کمرے میں ہر چیز سلیقے سے سیٹ تھی۔ہر چیز کی چمک دمک اپنے انمول ہونے کا ثبوت دیتی تھی۔

سامنے پرتعیش سفید بے داغ صوفے پہ رات کو پہنی گئی شلوار قمیض پڑی تھی جسے وہ costume کہتی تھی۔رمشا کے مطابق یہ ایسا costume ہے جو سیاست سے تعلق رکھنے والی ہر عورت کیلئے لازم ہے، چاہے وہ اسے پسند کرے یا نہ کرے۔ہر چیز پہ کوئی نہ کوئی ٹیگ ضرور ہوتا جو خریدار کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔اس ملک کی سیاست میں عورت کا ٹیگ اس کا لباس ہے اور محبِ وطن ہونے کا لٹمس ٹیسٹ!! لیکن صرف اس ملک کے اندر اندر.....

بیرونِ ملک جا کے آپ چاہے جو مرضی پہن لیں وہاں آپ کو کہاں ملک کی نمائندگی یاد رہے گی، وہاں کونسے لوگ ہیں جنہیں متاثر کر کے ووٹ مانگنے ہیں۔

پہلی دستک

دوسری دستک

تیسری دستک

وہ جو دنیا و جہاں سے بیگانہ نیند کی وادیوں میں گم تھی، تیسری دستک پہ اس وجود میں ہلکی سے جنبش ہوئی مگر دروازہ اب مسلسل بج رہا تھا۔اس کے ماتھے پہ بل پڑے'اس کی بند ساکت آنکھیں جھٹ سے کھل گئیں۔ان سیاہ آنکھوں میں ناگواری تھی۔

اس نے چہرہ ذرا کو اوپر کیا، بجتے دروازے کی جانب دیکھا۔اس کی آنکھیں بند ہو رہیں تھیں۔پھر کچھ سمجھنے کی سعی کی اور بھاری پپوٹوں سے سامنے وال کلاک کی جانب دیکھا۔ صبح کے نو بج رہے تھے۔اس نے کوفت سے بجتے دروازے کی طرف رخ موڑا۔

"کیا مسئلہ ہے؟؟" وہ بولی تو آواز زکام زدہ تھی اور سر بھی کافی بھاری تھا۔

"صاحب بلا رہے ہیں بی بی سائیں!!" کمرے کے باہر کھڑے صفدر صاحب کی آواز آئی۔

"کیا کام ہے؟" وہ تلملا کر بولی۔ پھر اپنا چہرہ تکیے میں چھپا گئی۔

"ناشتے پہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ "

"مجھے ناشتہ نہیں کرنا!!" اس کے انداز میں بیزاری ہی بیزاری تھی۔

"جی! لیکن پھر بھی صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ "

"کیا بکواس ہے!" وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔ پھر تکیہ دور پھینکا اور اٹھ بیٹھی۔ "آ رہی ہوں جاؤ!! اور اب دروازہ بجایا تو....." وہ کچھ سخت بولنے سے قبل ہی چپ ہو گئی۔ وہ کم از کم صفدر صاحب سے تو بدتمیزی نہیں کر سکتی تھی۔ اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ڈیڈ اس کے بغیر ناشتہ نہیں کریں گے۔

اس نے کھلے بالوں کا جوڑا کیا اور ناک سکوڑتی بیڈ سے نیچے اتری۔

کچھ ہی دیر بعد وہ ڈائننگ ہال میں اپنی کرسی پہ موجود تھی۔نائیٹ سوٹ میں ملبوس وہ کافی حد تک فریش نظر آرہی تھی۔

"آپ کچھ زیادہ ہی نہیں تھک گئیں تھیں۔"زمان صاحب چہرے پہ مسکراہٹ سجائے ہلکے پھلکے انداز میں بولے گویا خاموشی کو ختم کرنا چاہتے ہوں۔

"ان چاہے راستوں کا سفر انسان کو تھکا دیتا ہے۔" وہ زخمی سا مسکرائی تھی۔اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی پلیٹ سیدھی کی اور بریڈ کا ایک سلائس پلیٹ میں رکھا۔

"آپ چند گھنٹوں کے سفر سے اس قدر تھکاوٹ کا شکار ہو گئیں ابھی تو آپ نے اپنی پوری زندگی اسی ماحول میں گزارنی ہے۔" وہ آملیٹ کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے بغور اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"ڈیڈ میں کوشش کر رہی ہوں۔اب ایک دم سے میں اپنا ہر کام چھوڑ کر صرف یہ سوکالڈ پولیٹیکل ہیٹینگز نہیں دیکھ سکتی۔جس کا مقصد صرف ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر واپس آجانا ہے۔"وہ اب سلائس پہ بٹر کی تہہ چڑھاتے ہوئے قدرے جھنجھلاہٹ سے بولی۔اس کی

نظروں کے سامنے کل کا منظر لہرایا۔(کل کی میٹنگ ! پہلے آدھا گھنٹہ وہ میڈیا والوں کے سامنے کھڑی تصویریں بناتی رہی۔ پھر ایک ہال میں زمان جعفر کے ہمراہ پہنچی۔ مختلف رنگ کے لوگوں سے ملی۔ اگر مرد ہے تو سوٹ میں ملبوس اور عورت شلوار قمیض دوپٹے میں۔ وہ ایسی میٹنگز کو کاسٹیوم پارٹی کہتی تھی۔ جہاں ناچاہتے ہوئے بھی آپ کو مخصوص لباس پہننا ہو۔ خیر ! ایک فائل پیش کی گئی اور پھر اس ایک بند فائل کے ساتھ نا جانے کتنی سو تصویریں بنائی گئیں۔ رمشا کو تو اس بات تک کا شبہ تھا کہ فائل کہیں خالی ہی نہ ہو۔ خیر اس فوٹو شوٹ کے بعد اس کی واپسی ہوئی۔ اس پورے وقت میں رمشا کا چہرہ بے تاثر رہا۔ وہ ضبط کے آخری مراحل میں تھی۔ وہ جو بھی تھی جیسی بھی تھی لیکن وہ دکھاوے اور منافقت کی دنیا سے خار کھاتی تھی۔)

"آپ نے بہت آزادی سے جی لیا۔ اب آپ کو اپنا آپ یہاں وقف کرنا چاہیے۔ مزید آپ ان چیزوں سے نہیں بھاگ سکتیں "!

"اوہ کم آن ڈیڈ ! پہلے مجھے لگتا تھا میں ایسے ہی ان چیزوں سے دور بھاگ رہی ہوں مگر جو کل ہوا۔ اف"

www.novelsclubb.com

"That was bullshit!"

"ہم اتنی دور گئے... کیا صرف ایک فائل دینے گئے تھے؟ وہ تو کوئی ملازم بھی دینے جا سکتا تھا۔" اس کی جھنجھلاہٹ میں کچھ اور اضافہ ہوا۔ زمان جعفر کی آنکھوں میں ناگواری در آئی۔

"تو کیا میں آپ کو کسی چوٹی پہ لے جاتا کہ چلیں اس پہ چڑھ کے دکھائے یا کوئی کنواں کھودنے کے لیے کہہ دیتا۔ وہاں صرف لیڈرز کا ہونا اہم ہوتا ہے اور وہ مسودہ ہم نے تیار کیا تھا۔" ان کا لہجہ پیشہ ورانہ تھا' لہجے میں شناسائی کا عنصر نہ تھا۔

"تیار کروایا تھا ڈیڈ!" رمشا نے تصحیح کی۔ پھر استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔ زمان جعفر لب بھینچ گئے۔

www.novelsclubb.com

"لیکن اس کی نمائندگی ہماری پارٹی کرتی ہے۔" ان کی آنکھوں میں تنبیہہ تھی۔

"یہ جھوٹی نمائندگی، یہ روبوٹک چال چلن اور وہ لباس۔۔۔ ڈیڈ مجھے الجھن ہوتی ہے۔ سب پلاسٹک کا لگتا ہے۔" زمان جعفر کے نقوش تن گئے مگر رمشا نے اثر لیے بغیر اپنی بات جاری رکھی۔

"خیر! یہ تو طے ہے اب آپ میرے ساتھ ہر جگہ جائیں گئیں۔ بات ختم!" وہ ہاتھ جھلا کر بولے۔

"ڈیڈ میری اپنی لائف بھی ہے۔ میرے اپنے بھی کچھ گولز ہیں۔" رمشا مستحکم لہجے میں بولی۔ اس کی آنکھیں بھی بے تاثر تھیں۔ زمان جعفر نے جوس کا گلاس لبوں سے لگایا' پھر رمشا کی جانب سنجیدگی سے دیکھا۔

"اور آپ کے یہ فضول کے مشغلے میں جانتا ہوں۔ کبھی باکسنگ اور کبھی ایکٹنگ۔۔۔ ماڈلنگ۔۔۔ ہمم؟" وہ سوالیہ انداز میں ابرو اچکائے سنجیدگی سے رمشا کو جواب طلب نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر استہزائیہ مسکرا دیے۔

www.novelsclubb.com

"ڈیڈ اپنے اپنے نظریے کی بات..... کیا پتہ مجھے آپ کے مشغلے فضول لگتے ہوں!" وہ سپاٹ تاثرات لیے کندھے اچکا گئی۔ زمان جعفر ضبط سے مٹھیاں بھینچ گئے۔ انہیں رمشا کی اسی بے پرواہی سے الجھن تھی پھر گردن اثبات میں ہلائی۔

"مجھے ناشتے میں بریڈ زہر لگتا ہے۔"انہوں نے رمشا کے ہاتھ میں موجود سلائس پہ نظریں جماتے ہوئے جواب دیا۔انتہائی سنجیدہ ماحول میں ایسا جواب سن کر رمشا نے تعجب سے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا جو سنجیدہ سے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

رمشا نے سمجھنے کے انداز میں سر کو ہلایا۔

"اور مجھے آملیٹ سے نفرت ہے۔"وہ ذرا توقف کے بعد سنجیدگی سے بولی۔اس بات پہ زمان صاحب کھل کے ہنس دیے۔

"تم کہنا چاہتی ہو کہ تمہیں سیاست سے نفرت ہے!!"وہ ابھی بھی مسکرا رہے تھے۔

"اور آپ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کو ماڈلنگ زہر لگتی ہے۔"وہ بھی انہی کے انداز میں بولی۔

"تم بالکل اپنی ماں پہ گئی ہو وہ بھی۔۔۔۔ "

"کیا ان کو بھی سیاست میں آنا پسند نہیں تھا؟؟"وہ ان کی بات کو کاٹتے ہوئے چیلنج کرنے کے انداز میں بولی۔

"تمہیں معلوم ہے میرا کوئی سیاسی بیک گراؤنڈ نہیں، تمہاری ماں کو ہی خدمتِ خلق کا شوق تھا۔" وہ تمسخرانہ انداز میں ہنسے۔ "چونکہ تمہارے نانا نے یہ سلسلہ شروع کیا تھا لیکن تمہاری ماں کے بعد مجھے ہی یہ سب سنبھالنا پڑا اور میرے بعد تم تینوں کو...." وہ بیزاری سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"پلوشہ کب آئے گی؟" رمشا نے بات کا رخ بدلا۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی یہ سب سننے میں!

"ہاں کہہ رہی تھی آج رات تک سارے کام نمٹا کر آجائے گی اور جب وہ کہہ دے کہ رات تک آئے گی تو وہ رات کو ہی آئے گی۔" وہ فخر سے بولے۔ "وہ اپنا کام کرنا جانتی ہے اور کام کروانا بھی!" پلوشہ کے نام پہ زمان جعفر کی آنکھوں میں چمک در آئی تھی۔ پلوشہ اور میر حاکم (رمشا کے بڑے بہن بھائی) کے نام ان کا چہرہ یونہی ٹمٹما اٹھتا تھا۔ قوسِ قزاح کے سارے رنگ ان کی آنکھوں میں اتر آتے تھے۔

رمشا اپنا رخ پھیر گئی۔ ان کی آواز میں جو شدت تھی رمشا کو اپنا آپ چھوٹا محسوس ہوا۔

www.novelsclubb.com

"تمہارا بھائی بھی جلد ہی دبئی کے مسئلے حل کر کے واپس آ جائے گا۔تب تک تم خود کو اچھے طریقے سے تیار کر لو، کیونکہ اس کے بعد جلد ہی الیکشنز سٹارٹ ہو جائیں گے اور مجھے تمہاری طرف سے کوئی شکایت نہ ملے۔" ان کا لہجہ کرخت نہ تھا مگر نا جانے کیوں رمشا کو ان کے الفاظ سخت لگے۔

وہ ان کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکی اور سامنے بیٹھے شخص کو کسی جواب کسی بحث کی ضرورت نہیں تھی۔زمان جعفر کی ہر بات پتھر پر لکیر ہوتی تھی۔ان کا ہر مشورہ حکم ہوتا تھا۔

زمان جعفر نے ناشتہ کر لیا تھا اور اپنی جگہ سے اٹھ چکے تھے۔ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے شہرام کے موبائل پر رنگ ہوئی۔اس نے جلدی سے فون کان سے لگایا۔اور "اوکے!" کہہ کے فون بند کر دیا۔

"سر! ھمدانی صاحب پہنچ چکے ہیں۔"اس نے زمان صاحب کو آگاہ کیا۔زمان جعفر نے سر کو اثبات میں ہلایا اور کوٹ کے بٹن بند کرنے لگے۔

www.novelsclubb.com

اس کے ساتھ ہی وہ دونوں ڈائننگ ہال سے نکل گئے اور رمشا پیچھے تنہا رہ گئی۔رمشا نے اپنے سامنے پڑی پلیٹ کو ہاتھ سے دھکیل کے پیچھے کیا۔

"اونہوں! ناشتہ کرنے بلایا تھا یا طنز کرنے؟"اسے خود پہ شدید غصہ آیا وہ کیوں منہ اٹھا کر ناشتہ کرنے آگئی۔

"ماڈلنگ؟"وہ زیرِلب بڑبڑائی۔

"باکسنگ؟"اس کی آنکھوں میں کرب اترا۔

"لو چھوڑ دیا۔"وہ زخمی سا مسکرائی۔

سیاسی خاندان میں صرف ایم این اے یا ایم پی اے ہی پیدا ہوتے ہیں۔اس طرح ایک خاندان صدیوں تک اس نظام کا حصہ رہتا ہے اور یہ سائیکل کبھی نہیں ٹوٹ سکتا خصوصاً اس ملک میں جہاں لوگ کپڑا روٹی اور مکان کے علاوہ اور کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتے۔

"چلو تابعدار اولاد بننے کی اداکاری کرتے ہیں۔"وہ نخوت سے کہتی کرسی سے اٹھی اور ڈائننگ ہال سے باہر نکل گئی۔

وہ اپنے کمرے میں واپس آئی۔اس کے کمرے کی ہر لائیٹ ہر لیمپ گل تھا اور کمرہ نیم تاریک تھا۔گلاس وال بھی پردوں سے ڈھکا تھا۔سورج کی روشنی ہلکے رنگ کے پردوں کے اطراف سے نکل کر کمرے میں داخل تو ہو رہی تھی مگر تاریکی دور کرنے میں ناکام تھی۔

اس کے کمرے میں نا جانے کیسا اداس فسوں تھا کہ اس میں داخل ہوتے ہی ایک عجیب سی اداسی اور مایوسی نے اس کے وجود کا احاطہ کیے اس کے دل کے گرد ایک غبار سا بنا دیا۔

اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر پردوں کو ایک سائیڈ پہ کیا اور باہر روشنی میں ڈوبا جہاں دیکھنے لگی۔وہ جہاں کوئی اور ہی تھا جس کا آسمان بہت خوبصورت تھا۔وہ عجیب نظروں سے باہر دیکھ رہی تھی جیسے کوئی پرندہ قفس میں ہو اور آسمان میں اپنے پر پھیلانے کو بے تاب ہو۔

www.novelsclubb.com

رمشا نے اپنا سر جھٹکا اور فون کی جانب متوجہ ہوئی۔اسے اپنی دوست سے ملنا تھا جسے وہ کل مصروفیت کے باعث مل نہ سکی۔

اس نے موبائل آن کیا مگر شہرام کی مسڈ کالز کو دیکھ کر سخت بیزار ہوئی۔

"ڈیڈ کے سیکرٹری کو اب کیا مسئلہ ہے!"اس نے خود سے ہم کلامی کی۔پھر شہرام کا نمبر ملایا۔

"بولو کیا ہے!!" وہ فون کان سے لگاتے ہی اکتاہٹ سے بولی۔

"میم آج حمدانی سر نے اپنا برینڈ لانچ کیا۔" فون سے شہرام کی آواز ابھری۔

"تو میں کیا کروں؟؟ مجھے کیوں یہ سب بتا رہے ہو؟" وہ غصے سے بولی۔

"تو آج شام اس کی advertisment کے لیے آپ انوائیٹڈ ہے...." رمشا اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"کام ہے مجھے اور اب کسی شو میں نہیں جاؤں گی۔" وہ اپنے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھتے ہوئے بولی لیکن آنکھیں سلگتا ہوا انگارہ تھی۔

"آل رائٹ.... جیسا آپ چاہیں میم!!" شہرام کی آواز میں مسکراہٹ گھلی تھی۔ اس نے غصے سے فون رکھ دیا۔

"سر وہ کہہ رہیں ہیں اب وہ کسی شو میں نہیں جائیں گئیں۔" وہ مسکراتا ہوا بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے پچھلی نشست پہ بیٹھے زمان صاحب سے مخاطب ہوا۔ وہ موبائل کی جانب جھکے مصروف سے نظر آرہے تھے۔ شہرام کی بات سن کر مسکرا دیے مگر نظریں نہ اٹھائیں۔

"گریٹ"!!

یعنی تیر نشانے پہ لگا تھا وقتی طور پر ہی سہی مگر رمشا اب کسی شو میں شرکت نہیں کرے گی۔

"کیوں جاؤں اب میں وہاں؟؟ کسی شو کا کسی advertisment کا حصہ نہیں بنوں گی میں اب..."اس کے گلے میں بہت سی گرہیں پڑیں تھیں، موبائل ہنوز ہاتھ میں تھا۔

"ڈیڈ نے ہمیشہ میرا استعمال کیا ہے، کبھی میری کسی خواہش کا احترام نہیں کیا۔"اب وہ سامنے لگی تصویر کی جانب متوجہ ہوئی۔وہ پر کشش سا شاہکار مسکراتی آنکھوں والی عورت دنیا کے ہر دکھ سے انجان !

"میں پہلے سوچتی تھی اگر آپ یہاں موجود ہوتیں...."اس نے ہاتھ سے اپنے پہلو کی جانب اشارہ کیا۔اس کا انداز دکھ بھرا اور قابلِ ترس تھا۔"یہاں میرے پاس میرے ساتھ..."سیاہ آنکھوں میں نمی ابھری۔ایک پل کو اس کی بصارت دھندلا سی گئی۔اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کیں۔

"تو میں جو چاہتی وہ پا لیتی لیکن میں غلط تھی، ڈیڈ شاید آپ کی بھی نہ سنتے...مام!! وہ بدل گئے ہیں کوئی کیسے بدل سکتا۔" وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی۔اذیت ہی اذیت تھی کسی اپنے کے پاس نہ ہونے کی اور کسی اپنے کے پاس ہو کر بھی پاس نہ ہونے کی!

"مام!! کوئی کیسے اتنا بدل سکتا ہے کہ پہچانا بھی نہ جائے۔" اس کی سیاہ آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

"مام!" وہ رونا چاہتی تھی مگر آنسو نکلنے سے انکاری تھے۔اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

وہ ہاتھ میں پکڑے موبائل کی طرف متوجہ ہوئی اور کسی کا نمبر ملانے لگی۔دو تین گھنٹیوں کے بعد ہی فون اٹھا لیا گیا تھا۔

www.novelsclubb.com

"کیسی ہو رمشا؟" اس کی سماعتوں میں عریشے کی آواز ابھری۔اس کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا۔اس نے کیوں عریشے کا نمبر ملایا وہ نہیں جانتی تھی۔

"تم۔۔۔" وہ کچھ بولنا چاہتی تھی مگر آواز جیسے کسی ان دیکھی قوت کی تابع تھی۔

"رمشا تم ٹھیک ہو؟؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟؟" رمشا کو چپ پا کر اسے واقعتاً تشویش ہوئی تھی۔

"تم آسکتی ہو؟؟ادھر میرے پاس؟؟"وہ ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بولی پھر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

"اوکے!!ایک کام ہے بس وہ نمٹا کے میں آتی ہوں۔تم ٹھیک تو ہو نا؟؟"مقابل کے انداز میں فکر تھی۔

"تم آجاؤ میں ٹھیک ہوں!"وہ پھر ٹوٹے پھوٹے لہجے میں گویا ہوئی۔آنسو اب لڑیوں کی مانند اس کی آنکھوں سے نکل رہے تھے۔

"ٹھیک ہے میں بس آتی ہوں!"رمشا نے ساتھ ہی کال کاٹ دی۔وہ شاید اس سے زیادہ بول نہیں سکتی تھی۔

www.novelsclubb.com

اس نے فون بیڈ پہ پھینکا اور گہرے گہرے سانس لینے لگی وہ یوں سانس لے رہی تھی جیسے کوئی دمے کا مریض ہو،ہر گزرتے لمحے اس کا دم گھٹ رہا تھا۔اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔وہ گلا پھاڑ کے چلانا چاہتی تھی مگر آواز؟؟آواز نا جانے کہاں سینے میں دبی تھی۔

"رمشا!!"اس نے خود کو پکارا۔

"ریلیکس...."وہ سر کو دونوں ہاتھوں پہ گرائے آنکھیں زور سے بند کر گئی۔

"مام!!"خیالوں کے پردے میں ایک خوبصورت سا عکس ابھرا۔دمکتے چہرے والی عورت' ہمیشہ مسکرانے والی عورت،اس کے دل میں سکون سا اترا تھا۔اب سینے پہ بوجھ بھی کچھ کم محسوس ہو رہا تھا۔

منظر بدل رہا تھا ایک بارہ سال کی بچی اپنی ٹوٹی ڈول کو ہاتھ میں پکڑے رو رہی تھی۔ایک خوش شکل عورت آنکھوں میں ڈھیروں پیار لیے فکر مند سی اس کے پاس بیٹھی تھیں۔

"تمہیں چیزوں سے محبت جلد ہو جاتی ہے!!"وہ عورت دھیمے لہجے میں بولیں۔آواز گویا کسی میٹھی غزل سی۔

www.novelsclubb.com

"دیکھو یہ عادت اچھی نہیں!!"اس عورت نے افسوس سے سر ہلایا۔

"یہ چیز نہیں ماما یہ میری ڈول ہے میری بیسٹ فرینڈ اور ماما میری بس ایک ہی بیسٹ فرینڈ تھی اور وہ بھی ٹوٹ گئی۔"آنکھوں میں ٹھہرے آنسو اب ہچکیوں سے نکل رہے تھے۔

"پرنسس!! یہ بے جان ہے اور...." گہری سیاہ آنکھوں والی عورت نے اب اس روتی بچی کا آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کیا۔ پھر تھوڑی کو دو انگلیوں کی مدد سے تھوڑا اوپر کیا۔ سیاہ آنکھوں میں نرم سا تاثر تھا۔

"بے جان اور بے مول چیزوں میں اپنا قیمتی وقت اور فیلنگز انویسٹ نہیں کرتے!" وہ اس بچی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"ماما!! یہ بے مول چیزیں ہیں؟"

"ہاں!! قیمتی چیزوں میں اپنی فیلنگز انویسٹ کرو میری پرنسس"!

"ماما قیمتی چیزیں کیا ہوتی ہیں؟" وہ اب اپنا رونا بھول چکی تھی۔

"انسان انمول ہوتے ہیں ان کی فیلنگز قیمتی ہوتی ہیں اور دنیا میں سب سے انمول نعمت ایسا دل ہونا جس میں دوسرے کا درد محسوس ہو۔"

"اور اگر ایسا دل نہ ہو؟؟ تو مام؟؟" بچی کی آنکھوں میں تجسّس تھا۔ وہ عورت مسکرا دی۔

"توانسان کا جینا یا مرنا ایک برابر!" پرانی یادیں دھندلا گئیں۔ پھر ماضی حال سے بدل گیا۔ وہ عورت چلی گئی اور روتی بچی تنہا بیٹھی آج بھی چیزیں گم ہو جانے پہ بے حال تھی۔ وہ آج بھی انسانوں کو قیمتی نہیں گردانتی تھی۔

اس نے اپنی آنکھیں کھول لیں سینے پہ دباؤ اب نہیں تھا آنکھیں خشک تھیں۔ خیالوں کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ ماضی حال میں کہیں کھو سا گیا تھا۔ ایک فسوں ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ اب گزرے وقت کی یادیں تھیں اور حال کی کچھ تلخ حقیقت۔۔

فضا میں گھلی اداسی اب قدرے کم ہو چکی تھی۔ اب وہ بھی سنبھل چکی تھی۔ وہ اٹھی، وارڈروب سے سرمئی رنگ کا ٹریک سوٹ نکالا۔

www.novelsclubb.com

کچھ دیر بعد وہ اسی سرمئی ٹریک سوٹ میں ملبوس تھی، سیاہ بال ٹیل پونی میں مقید تھے۔ وہ پہلے والی رمشا سے قدرے مختلف نظر آ رہی تھی۔ سرخ ہوتی سیاہ آنکھوں میں تمکنت تھی، رمشا زمان ہونے کا غرور تھا۔

وہ خوابوں کی باکسر اب جم جانے کا سوچ رہی تھی۔

گلاس وال سے پردے ہٹے تھے، منظر وہی تھا وہ وہی تھی مگر خالی پن ہر سو تھا۔اس نے موبائل پہ سرسری سی نظر ڈالی، وہاں میسیجز کی بھرمار تھی، وہ جھنجھلائی تھی۔

وہ کوفت زدہ سی موبائل پرے رکھنے لگی کہ ایک شناسا سے نام نے اس کی آنکھوں کو جکڑا۔ "مجتبٰی "

رمشا نے میسیج اوپن کیا۔اس اداس قفس میں اب بہار اترآنے کو تھی۔

"کیا ہم کہیں مل سکتے ہیں؟؟" وہ سانس روکے اس تحریر کو دیکھ رہی تھی۔ہاں کوئی تو تھا جو اس سے ملنا چاہتا تھا۔

"کیوں؟؟ کوئی کام ہے؟" اور وہ کہاں اتنی آسانی سے ماننے والی تھی۔گھنٹوں پہلے آئے میسیج کا جواب رمشا اسے اب دے رہی تھی۔

"کیا دوست صرف کام کے وقت ملتے ہیں؟" گھنٹوں بعد میسیج کا جواب دینے پر اسے اگلے ہی لمحے جواب موصول ہو گیا تھا۔یا یوں کہو کہ اسے ہر بار اسی پل مجتبٰی کی جانب سے جوابی ٹیکسٹ موصول کو جاتا تھا۔

"کیا ہم دوست ہیں؟؟" وہ سیاہ آنکھیں سکیڑے موبائل پہ جھکی انگلیاں چلا رہی تھی۔ارد گرد پھیلی اداسی اسے اب اپنے وجود کے اندر محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"کیا ہم دوست نہیں ہیں؟" وہ حیران ہوا تھا، وہ اس کا چہرہ تصور کر سکتی تھی۔کیسے ان بادامی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت ابھری ہو گی۔

"ہاں ہم دوست ہی ہیں!" سیاہ آنکھوں میں ایک بار پھر اداسی در آئی تھی۔

"اور دوست کہاں ملتے ہیں؟؟" ایک اور نوٹیفیکیشن!

"کہاں؟؟" اور وہ اس کے جواب کو بخوبی جانتی تھی۔

"سمندر کے ساحل پر چاند کی روشنی میں کچھ وعدوں کے ساتھ...." رمشا نے گہرا سانس لیا۔ اداس آنکھوں میں ملاقات کی رمق ابھری۔ مگر سمندر ہی کیوں؟ اسے تو سمندر سے ڈر لگتا تھا۔ اس کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرایا۔موبائل پہ ساکت انگلیوں میں ایک بار پھر حرکت ہوئی۔

"تمہیں سمندر کی گہرائی سے ڈر نہیں لگتا؟؟"

"مجھے صرف آپ سے ڈر لگتا ہے اور آپ کو چاہنے سے!!" مقابل آخری الفاظ صرف سوچ ہی سکا!!

"ڈرنا بھی چاہیے!" وہ اس پورے وقت میں پہلی بار کھل کے مسکرائی تھی۔

"کل ملتے ہیں!" اس نے اس ٹیکسٹ کا جواب نہ دیا۔

پھر اس نے فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور خود کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ نیچے آئی تو سامنے سکینہ کو کھڑے دیکھا اس نے بے زاری سے منہ موڑا اور صفدر صاحب کو آوازیں دینے لگی۔ صفدر صاحب باورچی سے باتوں میں مشغول تھے۔ رمشا کی آواز سن کر ایک پل کی تاخیر کیے بغیر باورچی خانے سے نکل کر رمشا کے پاس سر جھکائے کھڑے تھے۔ سکینہ پہلے ہی کھسک چکی تھی۔

"میری دوست آرہی ہے اور مجھے کسی قسم کا تماشا نہیں چاہیے۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کا چہرہ کسی بھی احساس سے عاری تھا۔ سیاہ آنکھیں سپاٹ تھی۔ صفدر صاحب خاموش رہے۔

"اگر باہر کھڑے کسی گارڈ کو کوئی تکلیف ہوئی اور عریشے سے کسی نے پوچھ گچھ کی تو وہ اپنی موت کا ذمے دار خود ہو گا۔" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولی۔

"وہ پہلے انہیں عریشے بی بی کا پتہ نہیں تھا۔ "

"اب جانتے ہیں نا! ! سب اسے..... کسی نے بھی فرض شناسی میں آ کر اس کی گاڑی روکی.... تو گولی مار دوں گی۔" اور وہ یہ کہہ کر رکی نہیں، اپنے قدم عقبی دروازے کی جانب بڑھا دیے وہاں ایک وسیع راہداری تھی۔ صفدر صاحب نے خشک پڑتے لبوں پر زبان پھیری اور داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ اب ان کا رخ سکیورٹی ڈیپارٹمنٹ کی جانب تھا۔

---

www.novelsclubb.com

روشنیوں کے اس شہر میں فقط رات کے کچھ مناظر ہی بھلے لگتے ہیں لیکن اگر دن میں یہاں کا رخ کرو تو معاملہ سنگین ہے۔ کچھ پکی سڑکوں سے نکل کر اگر کسی پسماندہ علاقے سے گزر ہو تو تم جانو تیسری دنیا کے لوگ اور ان کے مسائل!

یہ علاقہ بھی انہی میں سے ایک تھا جس راستے یہ چند سیاہ گاڑیاں رواں دواں تھیں۔ یہ دھول اڑاتی گاڑیاں ابھی اس علاقے کی حدود میں داخل نہ ہوئی تھی کہ کچی سڑک کے باعث اس کی ہچکولے کھاتی سیاہ کار ایک جھٹکے سے رکی۔ پیچھے چلتی سیاہ سکیورٹی کی گاڑی ٹکرانے سے بال بال بچی۔ وہ جو باہر دوڑتے درختوں کو دیکھنے میں مصروف تھی گاڑی کے رکنے پہ چونکی۔

"میم لگتا ہے ٹائر پنکچر ہو گیا!" ڈرائیور نے بیک ویو مرر سے دیکھتے پچھلی نشست پہ براجمان نفس سے کہا۔

"میں ابھی ٹائر تبدیل کر دیتا ہوں!" وہ مؤدب سا بولا۔

اس نے سمجھنے کے انداز میں سر کو اثبات میں ہلایا اور گاڑی سے اتر گئی۔ وہ بھی اب انہی کچے راستوں کی راہی بن گئی۔ گارڈز بھی اپنی اپنی گاڑیوں سے اتر کر اس کے ارد گرد جمع تھے اور کچھ ڈرائیور کی مدد کو بڑھے۔

یہ راستہ ہر طرح سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ جگہ جگہ گڑھے پڑے تھے۔ کہیں درختوں کی چھال، ٹہنیاں گری پڑیں تھیں اور کہیں زرد سوکھے پتے گویا اس راستے پہ ماتم کر رہے ہوں۔

اس خستہ حال راستے سے اگر نظر ہٹاؤ اور آسمان کی جانب دیکھو تو قدرت کے رنگ ہر جانب بکھرے تھے۔

ٹھنڈی دھوپ' دھلا دھلا سا سماں

اڑتی دھول' آزاد پنچھیوں کا شور

اک خوبصورت نیا نیا سا جہاں

سنہری روشنی میں چھپا اندھیرا

خوشگوار صبح کی سنہری روشنی میں وہ قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی۔ وہ زمان محل سے تین دن باہر گزار کر آج واپس جانے کا ارادہ رکھتی تھی مگر اس ایک کام کے بعد!

اس نے ہاتھ میں پکڑا فون آن کیا، سگنلز پورے تھے' وہ حیران ہوئی کہ سروس اور یہاں کیسے؟ پھر سر جھٹک کر زمان جعفر کو فون ملانے لگی۔

"پلوشہ کیسی ہو؟ایک فون کرنے میں آخر دیر ہی کتنی لگتی ہے؟"زمان جعفر نے فون کان سے لگاتے ہی فکر مندی سے پوچھا۔

"ڈیڈ میں ٹھیک ہوں!کام میں مصروف تھی اور سروس کا بھی کافی مسئلہ ہے یہاں!!"وہ بے لچک سرد لہجے میں بولی۔

"جانتا ہوں تم workaholic ہو،کام کے وقت تمہیں کہاں پرواہ ہوتی ہے کسی کی.....باپ کو تو بھول ہی گئی ہو ان پچھلے کچھ دنوں میں۔"انہوں نے سروس کی بات یکسر نظر انداز کی اور پلوشہ کے لہجے کا بھی نوٹس نہ لیا کیونکہ پلوشہ شروع سے ہی ایسی تھی سنجیدہ،خاموش،دھیمی اور سرد!

www.novelsclubb.com

"ایسی بات نہیں..."وہ لمحے بھر کو رکی پھر جیسے کچھ یاد آیا۔"ڈیڈ حمدانی سر سے بات ہوئی وہ پروجیکٹ کب شروع کروا رہے ہیں۔یہ پروجیکٹ جلد از جلد شروع ہو جانا چاہیے پھر ہمیں موقع نہیں ملے گا الیکشنز کی وجہ سے..."لہجہ وہی تھا بے لچک جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

"ہاں ھمدانی سے ہو گی بات... بس انتظار میر حاکم کا ہے (زمان جعفر نے اپنے اکلوتے وارث کا نام لیا۔ زمان جعفر کے تین بچے تھے رمشا، پلوشہ اور میر حاکم۔ پلوشہ ان میں سب سے بڑی تھی۔) دبئ کے مسئلوں میں الجھا ہے وہ بھی جلد آ جائے گا پھر یہ پروجیکٹ بھی شروع ہو جائے گا۔ "

"اوکے ڈیڈ جیسا آپ کو مناسب لگے۔۔۔" وہ بات کر رہی تھی کہ فون کے اس پار ایک آواز ابھری۔ "سر عبید صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" پلوشہ کو یکدم چپ سی لگ گئی۔ اس کا وجود فون سے ابھرتی اس آواز کو سن کر لمحہ بھر کو ساکت ہوا۔ پھر اس نے تاسف سے سر کو جنبش دی یعنی وہ واپس آ گیا تھا۔ وہ لب بھینچ گئی۔

www.novelsclubb.com

"اوکے بیٹا اپنا خیال رکھنا!! مجھے ایک میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے، رات کو ملتے ہیں۔" وہ عجلت میں تھے۔

"اوکے ڈیڈ!" اس نے کال کاٹ دی۔

وہ سیاہ لمبی قمیص اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس تھی۔ ہم رنگ دوپٹے سے سر کو ڈھکے ہوئے تھے۔ کندھے پہ ڈالی سیاہ چادر زمین کو چھو رہی تھی۔ وہی سیاہ گہری سنجیدہ آنکھیں وہ بالکل اپنی ماں جیسی تھی البتہ سیاہ آنکھوں کے پپوٹے سوجھے تھے شاید شدتِ کام کے باعث۔ یہ حسین چہرہ مسکراہٹ سے ناآشنا تھا۔

گردن ترچھی کر کے اس نے ڈرائیور کو دیکھا جو ٹائر تو بدل چکا تھا اور اب بونٹ کھولے گاڑی پر جھکا تھا۔ پھر اس کی نظریں سامنے جنگل نما علاقے تک گئی۔ ایک پل لگا تھا پلوشہ کو یہ جگہ پہچاننے میں۔

اس نے فوراً نظروں کا زاویہ بدلا۔ پھر دائیں جانب دیکھا اور پھر بائیں جانب۔ اس کا اندازہ درست تھا یہ وہی طویل اور سنسان سڑک تھی جہاں اس پر جان لیوا حملہ ہوا تھا۔

اس کچی سڑک کے اطراف میں جنگلات تھے۔ اس کی نظر بے اختیار جنگل کی جانب گئی۔ سنہری روشنی میں بھی اسے یہ جنگل تاریک معلوم ہوا۔

www.novelsclubb.com

"سر نے آپ کی حفاظت کیلئے مجھے بھیجا ہے!" ان الفاظ کی بازگشت اس کی سماعتوں میں ٹکرائی۔ وہ غیر ارادی طور پر اپنے قدم آگے کی جانب بڑھا رہی تھی۔ اسے کسی انسان کی موجودگی کا احساس نہ تھا۔ اسے یاد تھی تو وہ رات جب اس پر حملہ ہوا تھا اسی راستے پر۔ وہ اسی اندھیرے کی جانب چلتی جا رہی تھی۔

وہ زخمی تھا مگر پھر بھی اس کی ڈھال بنا رہا۔ اس اندھیری رات میں اس کی گاڑی پر کوئی اندھا دھند فائرنگ کر رہا تھا۔ ڈرائیور بمشکل ان چار پانچ گاڑیوں سے بچ بچا کر اسے اس راستے پہ لایا مگر گاڑی کی حالت تصادم کے نتیجے ابتر ہو چکی تھی اور ونڈ اسکرین گولیوں سے چھلنی تھی۔ گاڑی بلٹ پروف ہونے کے باعث جان محفوظ تھی۔

www.novelsclubb.com

وقت کی ستم ظریفی یہ تھی کہ اس کی گاڑی اسی کچے راستے پہ آنکلی اور ڈرائیور گاڑی کا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گاڑی دائیں جانب ایک بڑے سے درخت سے ٹکرا گئی۔ وہ جو پہلے ہی مضطرب سی دم سادھے بیٹھی تھی۔ اس تصادم سے بوکھلا گئی، ہاتھ میں پکڑی پستول پہ اس کی گرفت سخت ہوئی۔

ڈرائیور کی لاکھ کوششوں سے بھی گاڑی اسٹاٹ نہ ہوئی۔ڈرائیور حواس باختہ گاڑی سے باہر نکلا اور گاڑی کا بغور جائزہ لینے۔وہ بھی مضطرب سی گاڑی سے نکلی۔ہیڈ لائٹس کی زرد روشنی میں ڈرائیور کے چہرے پہ موجود تناؤ سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اب کوئی راستہ نہیں۔

"بی بی جی وہ لوگ کسی بھی وقت یہاں پہنچتے ہوں گے۔ہمارا یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں، چلیں چلتے ہیں ہم اس جنگل کے راستے سے ہو کر پاس والے گاؤں پہنچ جائیں گے اور پھر آپ با حفاظت۔۔۔"اس کی بات اُدھوری رہ گئی مگر سانسیں پوری،زندگی مکمل اور اس کا جہاں ختم!!

کہیں سے پسٹل چلنے کی آواز آئی اور گولی سیدھی ڈرائیور کے ماتھے پر لگی اور سر کی پشت سے نکل گئی۔اور وہ اس کی حفاظت میں اپنی جان دے گیا۔وہ متحیر سی کھڑی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جس کے آخری الفاظ اس کی بیوی بچوں کیلئے نہیں تھے نہ اپنی بوڑھی بیمار ماں کی فکر میں تھے۔اس کے آخری الفاظ اس کیلئے تھے وہ اس کی فکر میں اس جہاں سے گیا تھا۔

یہ وہ پہلی بار تھا جب پلوشہ کی ذات اس کی اپنی نظر میں ہی سوالیہ نشان بن گئی۔

www.novelsclubb.com

وہ شاک کے عالم میں تھی مگر اس کی سوچوں کا تسلسل پھر سے گولی چلنے پہ ٹوٹا۔ ساری سوچیں پانی کے بلبلے کی طرح اندھیرے میں تحلیل ہو گئیں اور اب ایک ہی سوچ تھی موت سے بچنے کی یہاں سے بھاگنے کی۔

پھر ایک گولی چلی جو اس سے کچھ انچ دور تھی اور سامنے لگے درخت میں پیوست ہو گی۔ اب وہ لمحے کی تاخیر کیے بغیر بدحواسی کے عالم میں جنگل کی طرف بھاگتی چلی گئی۔ اسے اپنے پیچھے گاڑیوں کے رکنے کی آواز آئی۔

اوہ خدایا وہ لوگ یہیں آ رہے تھے۔ وہ اس کا پیچھا کر رہے تھے، وہ واقعی جان لینے کی غرض سے آئے تھے۔ یہ حملہ ڈرانے کیلئے نہیں تھا، سانسیں چھیننے آئے تھے وہ۔۔۔۔

www.novelsclubb.com

وہ ہر راستے سے ناآشنا بس بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ جنگل کی تاریکی اس کے خوف میں کچھ اور اضافہ کر رہی تھی۔ دفعتاً اس کا پاؤں کہیں الجھا تھا اور وہ منہ کے بل زمین پہ گر پڑی۔ اس کی چیخیں بلند ہوئی تھی اور وہ بھاگتے قدم تھمے تھے جو اس کی تلاش میں تھے۔

"اس طرف سے آواز آئی ہے۔وہ ادھر ہی ہو گی۔"دور ایک شخص دھاڑا تھا۔یہ آواز اس نے بھی سنی تھی۔

وہ بری طرح زخمی ہوئی تھی نا جانے کتنے ہی کانٹے اس کی ہتھیلیوں میں پیوست تھے، چہرے پہ بھی خراشیں آئیں تھیں۔اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔وہ فوراً کہنیوں کے بل اٹھی، نظریں گھما کر راستہ تلاشنا چاہا لیکن قدموں کی چاپ قریب ہوتی گئی۔اس نے جھک کر گری پسٹل اٹھائی اور ایک بڑے سے درخت کے پیچھے چھپ گئی۔

وہ درخت کے ساتھ لگی پسٹل کو سخت گرفت میں لیے ہوئے تھی کہ جیسے ہی کوئی اس کے سامنے آئے وہ گولی چلا دے گی۔

www.novelsclubb.com

کوئی اس کے بہت قریب تھا اور وہ کون تھا اس کے علم میں نہ تھا۔

"پلوشہ؟"کسی نے دھیرے سے اسے پکارا۔وہ کپکپا رہی تھی۔

"پلوشہ کدھر ہیں آپ؟"وہ اس آواز کو نہیں پہچانتی تھی مگر وہ کیسے اسے جانتا تھا۔

وہ تذبذب کا شکار رخ موڑے آواز کی سمت کا اندازہ لگا رہی تھی تاکہ وہ اسی سمت نشانہ داغ سکے۔

کسی نے اچانک اس کے منہ پہ ہاتھ رکھا اور اپنے ساتھ لگائے تیزی سے ایک جانب دبے پاؤں چلتا گیا۔پلوشہ نے مزاحمت کی کوشش کی مگر اس کی گرفت سخت ہو گئی۔

"آواز تو اسی جانب آئی تھی پھر کہاں گئی وہ؟؟" وہ پہلے جس جگہ کھڑی تھی اب وہاں سے دبی دبی بہت سی آوازیں آنے لگیں۔

وہ دونوں اب ایک درخت کے پیچھے چھپ گئے۔اس شخص نے پلوشہ کو یونہی تھامے رکھا مگر گرفت اب ڈھیلی تھی۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں آپ کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔آپ میرے ساتھ چلیں۔" اس شخص نے پلوشہ کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

وہ سب اب وہاں موجود نہیں تھے کہیں دور نکل گئے تھے۔وہاں اب کوئی نہیں تھا سوائے ان دونوں کے۔

www.novelsclubb.com

پلوشہ ایک جھٹکے سے اس شخص سے جدا ہوئی اور ہاتھ میں تھامی پسٹل اس شخص پہ تان لی۔اس تاریکی میں اس کا چہرہ بھی تاریک تھا اور وہ حیرت زدہ سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔کچھ لمحے یونہی خاموشی کی نظر ہو گئے۔

"سر نے مجھے آپ کی حفاظت کیلئے بھیجا ہے اور۔۔۔"!

"میں کیسے مان لوں؟؟ یہ تمہاری کوئی چال بھی تو ہو سکتی ہے۔کیا خبر تم بھی انہی لوگوں کے ساتھ ملے ہو؟"پلوشہ نے درشتی سے اس کی بات کاٹی۔وہ لب بھینچے خاموشی سے اسے سنتا گیا۔ جب وہ چپ ہوئی تو اس نے خاموشی سے ہاتھ میں پکڑی اپنی پستول پلوشہ کی جانب بڑھا دی۔

"وعدہ لیا ہے کسی نے آپ کی سلامتی کا مجھ سے'آپ کی جان مجھ پہ امانت ہے کسی کی اور میں امانت میں خیانت کا قائل نہیں ہوں۔"وہ نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

"میں آپ کو باحفاظت یہاں سے واپس زمان سر کے پاس لے جاؤں گا۔میری پستول آپ اپنے پاس رکھ لیں اگر آپ کو کسی بھی پوائنٹ پہ مجھ سے خطرہ محسوس ہو تو آپ گولی چلا سکتی ہیں۔"

کسی کی آواز اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھی۔ کوئی اس کے بے حد قریب تھا۔ وہ آواز کسی ساحر کی معلوم ہوتی تھی۔

سنہری روشنی اسے اندھیرے کی جانب دھکیل رہی تھی۔ وہ گارڈز کے ہالے سے نکل آئی تھی۔ وہ سامنے گھنے جنگل کی جانب چل رہی تھی۔ سنہری روشنی کہیں بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ اسے بس جنگل کا اندھیرا سارے آسمان پر چھاتا نظر آ رہا تھا۔

"آپ کی حفاظت میرا فرض....!" دیکھتے ہی دیکھتے یہ اندھیرا اطراف میں بھی پھیل گیا اور وہ اندھیرے میں گھیر لی گئی۔ اسے لگا وہ ایک بند تاریک جگہ میں قید ہے اسی رات کی طرح! اور اب وہ آئے گا اور اسے یہاں سے لے جائے گا۔

"میم وہاں خطرہ ہے آپ ادھر نہ جائیں۔" اسے اپنے پیچھے ایک آواز سنائی دی۔ کیا وہ آ گیا تھا؟ اندھیرا چھٹ گیا سنہری روشنی سارے میں پھیل گئی۔

www.novelsclubb.com

اس نے پیچھے مڑ کر خالی خالی نگاہوں سے وردی میں ملبوس لوگوں کو دیکھا۔ایک گارڈ اس کی جانب چلا آرہا تھا۔وہ اس گارڈ سے کافی فاصلے پہ کھڑی تھی۔وہ کیسے اس جنگل کے قریب آگئی تھی۔

"میم وہاں جنگلی جانور بھی ہو سکتے ہیں آپ ادھر نہ جائیں۔"پلوشہ نے ایک خاموش نگاہ سامنے جنگل پہ ڈالی۔پھر جواب دیے بغیر میکانکی انداز میں واپس گاڑی کی جانب آگئی۔وہ یہاں نہیں تھا اور وہ بھی پہلے والی کمزور پلوشہ نہیں رہی تھی۔

"میم گاڑی اسٹاٹ نہیں ہو رہی شاید انجن میں کوئی مسئلہ ہے۔"کالی وردی میں ملبوس ایک گارڈ اس کے پاس آکر بولا۔

www.novelsclubb.com

"ابھی اور کتنی دور ہے؟"وہ سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میم دو گھنٹے مزید لگ جائیں گے۔"گارڈ نے جواب دیا۔

"میم آگے کچھ فاصلے پہ رہائشی علاقہ شروع ہو جائے گا اور قریب ہی ایک ہوٹل ہے آپ وہاں کچھ دیر آرام کر لیں تب تک میکینک بھی آ جائے گا۔" اب کی بار بونٹ سے سر اٹھا کر ڈرائیو نے جواب دیا۔

"وقت کے ساتھ چلنا میرا اصول ہے اور کام میں تاخیر میرے لیے نا قابلِ قبول ہے۔" وہ بولی تو آواز میں غرور تھا آنکھوں میں اعتماد تھا۔ "جلد از جلد میکینک کو بلا کر اسے ریپیئر کراؤ"!!

"جی ٹھیک!" ساتھ ہی ایک گارڈ فون پہ ایک نمبر ملانے لگا۔

وہ سب کو نظر انداز کر کے گارڈز کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ ایک گارڈ نے پھرتی سے پیسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا۔ اس نے دروازے پہ ہاتھ رکھا اور پل بھر کو رکی۔ اس اندھیرے میں ڈوبے جنگل میں محبت کی داستان دفن تھی جہاں آسیب اس ان کہی داستاں پہ ماتم کناں تھے۔

"تم تو اس شخص کی خواہش پہ میری جان بھی لے لو گے اور بات کرتے ہو حفاظت کرنے کی....اونہہ!!" اس نے تلخی سے سوچا پھر سر جھٹک کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

باب نمبر 3

پہلی ملاقات

وہ ایک کتاب ہاتھ میں پکڑے اپنے کمرے کے باہر ہال میں ٹہل رہی تھی۔

وہ کچے سیب کے رنگ کی سبز فراک پہنے ہوئے تھی جو ٹخنوں تک آتی تھی۔ہم رنگ ڈوپٹہ گلے میں تھا اور کھلے بھورے بال سنہری صبح میں سنہرے ہی معلوم ہوتے تھے۔شیفون کی آستینوں سے دودھیا بازو جھلکتے تھے۔پر کشش سرخ و سفید چہرے پہ پر کشش سی عنبر آنکھیں لفظوں میں الجھی معلوم ہوتیں تھیں۔

اس کے کمرے کے ساتھ ہی اس کی ماں کا کمرہ تھا۔مخالف سمت ایک گیسٹ روم اور اس کے ساتھ کچن۔

ہال میں گہرے رنگ کے صوفے تھے جس پہ اس کی ماں امِ بنین بیٹھیں تسبیح کے دانے پھیر رہیں تھیں۔یہی ان کا چھوٹا مگر نفیس سا گھر تھا جس میں یہ دونوں ماں بیٹی رہتیں تھیں۔امِ بنین پٹھانی نقوش کی حامل پکی عمر کی عورت تھی۔ماضی کی تلخی بھی ان کے چہرے کا نرم تاثر زائل نہ کر سکی۔

حائمہ عادتاً ہر وقت کچھ نہ کچھ پڑھتی رہتی تھی۔ابھی بھی اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ سابقہ عمل کو دہراتے ہوئے اس نے پرکشش انداز میں چند الفاظ کی ادائیگی کی۔

"وقت کرتا ہے پرورش برسوں

حادثہ ایک دم نہیں ہوتا...."بنین بیگم کے تسبیح پھیرتے ہاتھ پل بھر کو تھم گئے۔جانے کیسا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے لہرایا'شاید کسی اپنے کی موت۔انہوں نے نظریں اٹھا کر حائمہ کی جانب دیکھا۔کیا کہہ رہی تھی ان کی بیٹی؟ہاں وہ حادثوں سے کہاں آشنا تھی۔

"حادثہ یوں ایک دم ہی ہوتا ہے، بالکل اچانک سے!"وہ جو اپنی دھن میں کتاب کی ورق گردانی کر رہی تھی اس کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔وہ ماں کے تبصرے پہ چونکی تھی۔

"ماں آپ کو ہمیشہ میرے شعروں سے اختلاف کیوں ہوتا ہے؟"اس کی آواز میں نمایاں خفگی تھا۔

"تمہارے شعر؟؟"اب کی بار بنین بیگم چونکی تھیں۔

"میرا مطلب سارے شعروں سے.....یہ میری خوشی ہے!"حائمہ بات بدل گئی۔

"آدھے ادھورے الفاظ،ٹوٹے خواب اور نامکمل مصرعوں نے کہاں کبھی کسی کو خوشی دی ہے۔"وہ کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں مرکوز کیے میکانکی انداز میں بول رہیں تھیں۔

"لیکن مجھے دیتے ہیں!"وہ اپنی بات پر بضد تھی۔

"نہیں۔۔۔کسی کے برسوں پرانے لکھے الفاظ کسی کے موجودہ احساسات کی منظر کشی نہیں کر سکتے!"ان کی نگاہوں نے اب دیوار سے حائمہ تک کا سفر طے کیا۔جو خفا خفا سی نظر آرہی تھی۔

"اگر آپ اس زمانے میں ہوتیں تو"محفلِ سماع"کے بعد"شعروں کا تنقیدی جائزہ" ضرور لیتیں۔"اس نے سر جھٹکا گویا ماں کو سمجھانا ناممکن ہے۔

"درست!! شاعروں کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ نسلوں تک ان کے لفظوں کی چھاپ رہتی ہے اور اگر اچھے یا برے الفاظ ایک خاص کیفیت میں ایک خاص دھن میں لکھے جائیں تو پھر منفی اثرات ہی مرتب کریں گے۔ کسی کو اس کے مثبت پہلو نظر نہیں آئیں گا۔" بنین بیگم نرم لہجے میں اسے سمجھا رہیں تھیں گویا ان کی شعروں سے ازلی دشمنی ہو۔

"افففف ماں!! اتنا لمبا خطبہ کون دیتا ہے وہ بھی شعروں کی مخالفت میں۔" اس کی آواز میں واضح جھنجھلاہٹ تھی۔

"ویسے آپ کو شاعری کیوں نہیں پسند؟" وہ ابرو اچکائے بغور ماں کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"کسی کی خاص کیفیت میں لکھے الفاظ میری حالیہ کیفیت پہ اثرانداز ہو کر مجھے اداس کر دیں یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے! یہ سحر ہے.... دوسروں کے الفاظ ہمیں اس وقت متاثر کرتے ہیں جب ہم خود ہی اپنی کیفیت کو خود سے بیان کرنے سے قاصر ہوں.... یا ہمیں خبر ہی نہ ہو کہ ہم اپنی زندگی میں چاہتے کیا ہیں یا پھر ہماری زندگی میں ہمارا کردار کیا ہے۔" اور وہ حائمہ کے بگڑتے چہرے کو دیکھ کر مسکراہٹ دبا گئیں۔

"اماں.... پلیز! یہ منطق عجیب تھی!" سنہری عنبر آنکھیں میں بے زاری تھی۔ وہ کوفت زدہ سی بولی۔

"اوکے!" انہوں نے ہاتھ اٹھائے۔ "مجھے شاعری اس لیے نہیں پسند کیونکہ تمہارے ابا کو بھی نہیں پسند تھی۔" بنین بیگم کندھے اچکا گئیں۔

"پھر میں کس پہ چلی گئی؟" اسے اپنے اس ادبی لگاؤ پہ افسوس ہوا تھا۔

"اپنے ابا پہ۔۔۔۔" حائمہ نے اچنبھے سے ماں کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔ وہ لب وا کیے بنین بیگم کو دیکھ رہی تھی۔

"لیکن ابھی تو آپ نے کہا کہ ابا کو شاعری پسند نہیں تھی؟" وہ متذبذب سی بند کتاب ہاتھ میں پکڑے بنین بیگم کو دیکھے گئی۔

"پسند تھی پھر ایک دن مجھے کہتے میری تمام کی تمام شاعری کی ڈائریاں جلا دو۔ مجھے لگا مذاق کر رہے ہیں۔" وہ ہنسی تھیں۔

"پھر؟" وہ متجسس سی ان کی پاس آ بیٹھی۔ کتاب ہنوز ہاتھ میں تھی۔

"پھر میں نے نہیں جلائیں اور....."انہوں نے بات اُدھوری چھوڑ دی'وہ مسکرا رہیں تھیں۔آسودہ سی مسکراہٹ۔

"اور؟"اس نے بے اختیار پوچھا۔

"اور رات کے آخری پہر میری آنکھ اچانک کھلی ایک خواب سے،ایک ڈراؤنا خواب اور بلاج کمرے میں نہیں تھے۔"وہ جیسے سوچ سوچ کے ایک ایک لفظ بول رہیں تھیں۔بنین بیگم وہ لمحے یاد کرنے کی کوشش کر رہیں تھیں۔

"اور آپ ڈر گئیں؟؟اور کیا ابا اتنی رات گئے اپنی ڈائریاں جلا رہے تھے؟؟"وہ عنبر آنکھیں سکیڑے ماں کا چہرہ بغور دیکھے گئی۔وہ متعجب تھی۔

"ہاں!!"ایک خوبصورت سی مسکراہٹ ان کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

"ہاہ لیکن کیوں؟؟کوئی وجہ؟"اسے صدمہ پہنچا تھا۔کیسے کوئی بیتے لمحوں کی یادیں راکھ بنتے دیکھ سکتا ہے۔اور راکھ بھی اسی آگ کی جو خود اپنے ہاتھوں سے لگائی گئی ہو۔"ابا کی کوئی ایک ڈائری

www.novelsclubb.com

نہیں رہی کیا؟ مطلب ماں کتنا اچھا ہوتا اگر میرے پاس ابا کے ہاتھوں سے لکھی کوئی بات، کوئی روداد ہوتی۔" وہ اداس سی نظر آ رہی تھی۔

"شکر ہے کوئی خاندانی نسخہ تمہارے ہاتھ نہیں لگا۔" انہوں نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

"آپ تو بہت خوش ہوئیں ہوں گیں، مگر جلانے کا مقصد؟" وہ ابھی تک حیرت میں تھی۔

ایسے کیسے؟؟ کیوں جلا ڈالیں وہ ڈائریاں؟

"اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔۔۔" اس نے اچنبھے سے بنین بیگم کی جانب دیکھا۔ وہ پہلی بار ان کے منہ سے کوئی شاعرانہ جملہ سن رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟؟ تمہارے ابا نے ہی ایسا کہا تھا۔" وہ دھیرے سے مسکرائیں۔

"لیکن آپ نے مجھے ابا کے بارے میں کبھی کچھ ٹھیک سے بتایا ہی نہیں۔۔۔۔ مطلب ابا کی اچانک ڈیتھ ہوئی اور ہم واپس ادھر آ کر خالہ کے پاس رہنے لگے! ابا کے رشتے دار پتہ نہیں کہاں ہیں؟؟ کون ہیں؟؟ مجھے کچھ یاد نہیں۔ "

"ہاں!! کیونکہ تم بہت چھوٹی تھی جب تمہارے ابا کی ڈیتھ ہوئی اور ان کے رشتے دار۔۔۔۔" وہ خاموش ہو گئیں۔ جیسے کچھ تھا ہی نہیں کہنے ہو۔ کیا واقعی کوئی نہیں تھا ان کا؟ ان کے چہرے کے بدلتے تاثرات حائمہ سے چھپے نہ تھے۔

"ہاں رشتے دار؟؟ کدھر ہیں؟ بتائیں مجھے!" وہ بے چینی سے بولی۔

"کچھ خاص رشتے دار نہیں تھے۔ ان کے ماں باپ کا انتقال ہو گیا اور چونکہ وہ اکلوتے تھے سو تمہارے ددھیال میں بھی کوئی قریبی نہیں تھا۔" وہ نظریں چرا گئیں۔

"کوئی دور کا تو ہو گا نا؟؟ کیا آپ کبھی کسی سے نہیں ملیں؟" وہ الجھی تھی۔

"نہیں شاید وہ بھی اس دنیا میں نہیں ہوں گے!!" حائمہ حیرت کے سمندر میں غرق اپنی ماں کی آنکھیں پڑھ رہی تھی۔ "مطلب اگر زندہ ہوتے تو دوبارہ رابطہ ضرور کرتے۔" بنین بیگم بمشکل بات سنبھال سکیں۔

"ماں ہم کیا موت کی وادی میں رہتے تھے جو سارے ہی مر گئے؟" وہ بات ہنسی میں اڑا گئی۔

"نہیں ہم ایک بہت خوبصورت وادی میں رہتے تھے۔ تمہارے بابا کو بہت محبت تھی اس جگہ سے 'وہاں کے لوگوں سے...." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ حائمہ نے ان کی اُدھوری بات کا نوٹس نہیں لیا۔ تبھی اپنی بات کہنی شروع کی۔

"ماں مجھے فقط ایک خوبصورت سڑک یاد ہے جس کے کنارے میں کھڑی تھی اور میرا ہاتھ....

"ذہن کی اسکرین میں ایک دراز قد انسان ابھرا۔ نرم گرم تحفظ بھرا لمس، کبھی نہ چھوڑنے کا، ساری دنیا سے چھپا کے رکھنے کا۔

"وہ شاید ابا کا ہاتھ تھا۔ ہاں.....! بس اسی پل کی رمق ہے میرے خیالوں میں۔" ایک تحفظ بھرا مان تھا اس کی عنبر آنکھوں میں۔ بنین بیگم فقط اس کی آنکھوں میں ابھرتا کشش بھرا تاثر دیکھ رہیں تھیں۔ وہیں آنکھیں، عنبر آنکھیں، حائمہ نور بلوچ کی آنکھیں، اس کے شوہر بالاج بلوچ کی آنکھیں، بلوچ خاندان کی آنکھیں۔

www.novelsclubb.com

حائمہ اگر اپنے خاندان میں تربیت پاتی، تو اس کی آنکھیں کبھی بھی نرم معصومیت بھرا تاثر نہ دیتیں۔اس کی آنکھیں لو دیتی بدلہ لینے کی خبر سناتیں۔بالکل اپنے باپ کی طرح بالاج بلوچ کی طرح۔بنین بیگم یک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھتیں یہیں ساری باتیں سوچ رہیں تھیں۔

"ماں؟؟کدھر کھو گئیں آپ؟"بنین بیگم حائمہ کی آواز پہ چونکیں گویا خواب سے جاگیں ہوں۔انہوں نے لمحے کے دسویں حصے میں خود کو کمپوز کیا۔

"کیا سوچ رہیں تھیں آپ؟"وہ آنکھیں سکیڑے دلچسپی سے ماں کا چہرہ ٹٹول رہی تھی۔بنیں بیگم نے اس کے ہاتھ میں موجود کتاب کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔پھر دھیرے سے مسکرادی۔

www.novelsclubb.com

"یہی کہ میں کیسے تمہاری یہ کتابیں جلاؤں؟"انہوں نے ابرو سے کتاب کی جانب اشارہ کیا۔

"ہائے اللہ!!'وہ کتاب کو سینے سے لگائے اٹھ کھڑی ہوئی۔"آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔"اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔بنین بیگم مسکرا کر رہ گئیں۔

وہ دروازہ دھکیل کر اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ ہاتھ میں پکڑی کتاب اس نے کتابوں کی ریک میں سجادی۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔ وہاں سے ایک کیچر اٹھایا اور چہرے پہ جھولتی لٹوں کو پیچھے کیا۔ آدھے بال پیچھے لے جا کر کیچر میں جکڑ دیے۔ پھر ایک نظر سامنے لگے آئینے پہ ڈالی۔ اس کا عکس آئینے میں ابھرا۔ کھلی کھڑکی سے چھن کے آتی سنہری روشنی اس پہ پڑ رہی تھی۔ سنہری روشنی میں اس کی عنبر آنکھیں سنہری ہی نظر آتی تھی۔ شفاف معصوم بے داغ چہرہ سرخی مائل سفید تھا۔ سنہری لٹیں پھسل کر ایک بار پھر چہرے کی اطراف میں پھیل چکی تھیں۔ سنہری پری کے گلابی لبوں کو مسکراہٹ چھو کے گزری۔

"خالو کی کاربن کاپی!!" مجتبیٰ کی آواز کہیں دور سے سنائی دی۔ وہ مسکرائی تھی۔ وہ کیوں ہر لمحے یاد آتا تھا؟ وہ لب بھینچ گئی پھر سر جھٹک کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"کہاں؟؟" اسے باہر جاتے دیکھ کر بنین بیگم نے پوچھا۔

"جا رہی ہوں دور اس دنیا سے، اک نیا جہاں ڈھونڈنے جہاں ستارے بلندی پر نہ ہو چاند چمکتا نہ ہو سورج ڈھلتا نہ ہو، جہاں۔۔۔۔۔" وہ شوخ انداز کوئی شعر کہتی چلی گئی۔

www.novelsclubb.com

"حائمہ!!"انہوں نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی'پتہ نہیں یہ لڑکی سیدھی بات کیوں نہیں بتاتی !!

"خالہ کی طرف،اذہابلارہی تھی۔"وہ آنکھ دبائے رسان سے کہتی جالی دار دروازہ عبور کر گئی۔

دالان میں قطار میں آگے پیچھے رکھے گملوں سے اٹھتی خوشبو فضا میں گھلی تھی۔اس نے ایک تاسف بھری نگاہ رنگ برنگے پھولوں پہ ڈالی۔گلے سے دوپٹہ نکال کر سر اور شانوں پہ اچھے سے پھیلا لیا۔ان کے صحن میں جہاں سیڑھیاں ختم ہوتی تھیں،ایک دروازہ تھا جو عالم صاحب کے پورچ میں کھلتا تھا۔

)عالم صاحب حائمہ کے خالو تھے۔امِ لیلیٰ عالم صاحب کی بیوی تھی اور ام بنین کی بہن تھیں۔ کافی عرصہ پہلے امِ بنین اپنے شوہر کی وفات کے بعد یہیں اپنی بہن کے ساتھ رہنے لگیں۔امِ بنین کی ایک بیٹی تھی حائمہ نور بلوچ۔اور ام لیلیٰ کے تین بچے تھے جڑواں بیٹے مجتبیٰ عالم خان' مرتضیٰ عالم خان اور سب سی چھوئی اذہا نور۔حائمہ اور اذہا ہم عمر تھیں۔(

وہ دروازہ عبور کر گئی۔بیرونی گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھلا تھا جیسے کوئی ابھی ابھی آیا ہو یا گیا ہو۔وہ سر جھٹک کر داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔داخلی دروازے کے آگے تین زینے تھے وہ زینے

پھلانگ کر اندر داخل ہو گئی۔اور بری طرح سے کسی چیز سے ٹکرائی۔اوہ چیز نہیں انسان تھا۔وہ مجتبٰی سے بری طرح ٹکرائی۔

اس ٹکر کی شدت سے وہ مخالف سمت لڑھک گئی۔اور مجتبٰی نے بروقت ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھام لی۔ گرنے کے ڈر سے حائمہ نے اپنی عنبر آنکھیں زور سے بند کر لیں۔ مگر کچھ ہی پل میں اسے احساس ہوا اس کی کلائی کسی کے ہاتھ میں ہے۔

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہوئی۔حائمہ نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں۔وہ حائمہ کی طرف ہی متوجہ تھا،وہ مسکرا رہا تھا۔

"کیا چھوڑ دوں؟"وہ آنکھ دبائے مسکرا کر بولا۔

"نہیں کبھی نہیں!"بے اختیار اس کی زبان سے یہ لفظ ادا ہوئے تھے۔اس کا دل بہت بری طرح کانپا تھا۔اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ اپنے گرنے سے ڈری تھی یا اس کے چھوڑ جانے سے!

www.novelsclubb.com

اس نے ایک جھٹکے سے حائمہ کو اپنی جانب کھینچا۔حائمہ نے پھر سے سنہری آنکھیں میچ لیں۔اس کا سر مجتبٰی کے سینے سے ٹکرایا۔وہ ابھی بھی اس کی کلائی جکڑے ہوئے تھا۔حائمہ نے اپنی آنکھیں کھولیں۔بھوری بادامی آنکھیں سنہرے موتی سی آنکھوں کو حصار میں لیے ہوئے تھی۔ وہ نظریں جھکانا چاہتی تھی مگر بھوری آنکھوں میں ایک خاص تاثر تھا جو حائمہ کو آج سے پہلے کبھی نظر نہیں آیا تھا۔کیا وہ تاثر اس کے لیے تھا؟ایک خاص عکس تھا ان بھوری آنکھوں میں، کوئی خوبصورت سا احساس یا شاید وہ آنکھوں سے بھی مسکرانا سیکھ چکا تھا۔

"تمہیں ڈر تھا کہیں میں چھوڑ ہی نہ دوں؟"وہ آنکھوں میں شرارت لیے مسکرا کر بولا۔حائمہ ایک جھٹکے سے مجتبٰی سے جدا ہوئی اور بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی۔

www.novelsclubb.com

داخلی دروازے کے ساتھ ہی زینے تھے اور اوپر مجتبٰی کا کمرہ۔وہ شاید ابھی ابھی بیدار ہوا تھا۔ گیلے بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔وہ سیاہ ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس تھا۔

"آپ ہمارے غریب خانے میں؟؟ صبح صبح؟؟"مجتبٰی پھر شوخ انداز میں بولا۔

-

"آپ کی صبح اور ہماری دوپہر!!" وہ نگاہیں جھکائے سادگی سے بولی۔

"تم بھی ابا کے ساتھ رہ کر طنز کرنا سیکھ گئی ہو گڑیا!!" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے مسکراہٹ دبائے بولا۔

"ہاااایہ الزام ہے۔" عنبر آنکھیں حیرت سے پھیلتی گئیں اور وہ بڑی بڑی آنکھیں مزید بڑی دکھنے لگیں۔ وہ نچلا لب دبائے بغور اس کے چہرے کے بدلتے زاویوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر شرارت سے مسکرا دیا۔

"خالہ صحیح کہتیں ہیں میری حائمہ نور بہت معصوم ہے۔" مجتبیٰ آگے بڑھا اور پھر اس کا گال تھپتھپایا جیسے وہ اذہا کا گال تھپتھپاتا تھا۔ وہ ششدر سی پہلے "میری حائمہ" کے الفاظ پہ الجھی تھی اور پھر اس کی انگلیاں اپنے چہرے پہ محسوس کیں۔ وہ بے اختیار دو قدم پیچھے کو ہٹی۔ مگر اذہا کی آمد سے مجتبیٰ حائمہ کے اس رد عمل کو محسوس نہ کر سکا۔

"واہ آج کی تازہ ترین خبریں!!" وہ نظریں اخبار پہ جمائے قدرے اونچا بول رہی تھی۔ مجتبیٰ اذہا کی جانب متوجہ ہوا۔ اذہا نے نظریں مجتبیٰ کی جانب گھمائی۔ ساتھ کھڑی حائمہ کو دیکھ کے ہاتھ ہلا کر ہائے کیا اور پھر اخبار پہ جھک گئی۔

"باپ نے بیٹے کو جھوٹ بولنے کی وجہ سے کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیا۔ اسی لیے جب بھی آپ کو لگے کہ ابا کو آپ پہ شک ہے تو سمجھ لینا ان پہ آپ کے کارناموں کا بھید کھل چکا ہے۔" وہ مسکراہٹ دبائے سنجیدگی سے ایک ماہر نیوز اینکر کی طرح بول رہی تھی۔ البتہ اخبار چہرے سے تھوڑا نیچے تھا۔ بھوری آنکھوں میں شرارت واضح تھی۔

"کیا ہوا...؟؟" وہ حیران سا اس کی جانب مڑا۔

www.novelsclubb.com

"گانا ریلیز ہونے سے پہلے ہی وائرل "!!

"کس نے بتایا؟؟" اس کے لبوں نے سرگوشی کی۔

"اعلیٰ حکام نے اپنے سورسز سے آگاہ نہیں کیا۔" وہ بے نیازی سے شانے اچکا گئی۔

"تم نے؟؟" وہ شاکی نگاہوں سے اذہا کو دیکھے گیا۔ اذہا کے تو سر پہ لگی اور تلوؤں پہ بجھی۔

"ہماری طرف شک کی نگاہ سے اگر دیکھا تو ہمیں اگلے پچھلے راز افشاں کرنے میں ذرا بھی دیر نہ لگے گی۔آئی ایس آئی کا بیان..."اس نے اخبار کو پاس پڑے ٹیبل پہ غصے سے پھینکا پھر پیر پٹختی ڈائننگ ٹیبل کی جانب بڑھ گئی، جہاں ابا ابھی ابھی آئے بیٹھے تھے۔

"اذہا...."وہ دبا دبا سا چلایا مگر وہ وہاں سے نکل چکی تھی۔اگر وہ خفا ہو گئی تو؟ پھر مجتبٰی کو ابا کی ڈانٹ سے کون بچائے گا۔اس نے ماتھے کو چھوا اور ایک خیال کے تحت حائمہ کی جانب پلٹا۔

"اچھا تو میں کیا کہہ رہا تھا؟ "

"میں ابا سے۔۔۔مل کر آئی۔"وہ بے ربط، مبہم سا بول کر نظریں جھکائے ڈائننگ ہال کی جانب بڑھ گئی۔(حائمہ اپنے خالو کو ابا کہتی تھی۔اپنے ابا کی وفات پہ حائمہ بمشکل چھ برس کی تھی۔وہ اور اس کی ماں تنہا وہاں رہ نہیں سکتیں تھیں۔ اسی دوران اس کی ماں نے اپنی بہن کے ہاں پناہ لی۔کچھ برس وہ اسی گھر میں رہیں اور پھر جب یہ ساتھ والا مکان خالی ہوا تو یہاں آبسیں۔سو بچپن ہی سے حائمہ نے ان تینوں کی دیکھا دیکھی خالو کو ابا کہنا شروع کر دیا۔)

"اسے کیا ہوا؟"وہ الجھا تھا پھر سر جھٹک کے حائمہ کے پیچھے ہی ہو لیا۔

حمائمہ لاؤنج عبور کر کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی۔سب سے پہلے اس کی نظر عالم صاحب پہ پڑی۔وہ ڈائننگ ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ براجمان کوئی کتاب پڑھ رہے تھے(یہ انہی کا اثر تھا کہ حائمہ بھی کتابوں سے چمٹی رہتی تھی)۔حائمہ کے قدم سست ہوئے اور آنکھیں شرارت سے چمکی۔وہ دبے پاؤں چلتی عالم صاحب کی کرسی کے پیچھے جا کھڑی ہوئی اور ہولے سے اپنا ہاتھ ان کی آنکھوں پہ رکھ لیا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"بالکل ٹھیک!"وہ اطمینان سے چونکے بغیر بولے۔یہ حائمہ کا روز کا معمول تھا۔حائمہ کا کہنا تھا انسان کی آنکھوں کے سامنے اگر اندھیرا چھا جائے تو وہ بند آنکھیں ساکت رہتی ہیں۔اگر اس دوران اس سے کچھ بھی پوچھا جائے تو وہ سچ ہی بولے گا۔اگر وہ انسان کسی بات پہ آنکھوں کو ادھر اُدھر گھماتا اور مسلسل پلکیں جھپکتا رہے تو وہ جھوٹ بولنے یا بات بدلنے کی کوشش میں ہے۔اس کی یہ منطق اللہ جانے کس حد تک درست تھی۔

"دوا وقت پہ لی؟"اس نے اپنے سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔عالم صاحب کو ذیابیطس تھی۔

www.novelsclubb.com

"جی ڈاکٹر صاحبہ!" وہ چہرے پہ اطمینان بھری مسکراہٹ لیے بولے۔

"میری بیٹی بہت دنوں بعد آئی ہے؟" حائمہ نے ان کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا اور ان کے پاس دائیں کرسی پہ ذرا کو آگے ہو کر بیٹھ گئی۔

"کل آئی تو تھی میں لیکن آپ گھر نہیں تھے۔" وہ مٹھی تھوڑی کے نیچے رکھتے ہوئے بولی۔ عنبر آنکھیں میں محبت بھرا تاثر تھا۔

"اور پرسوں آپ گھر نہیں تھیں۔" ان کا رخ بھی اب حمائمہ کی جانب تھا۔

"جی آخری پیپر دینے گئی تھی۔" وہ مزے سے بولی گویا جان چھوٹی ان پیپرز سے بھی!

"آخری سمسٹر! اس کے بعد کیا سوچا آپ نے؟" وہ بہت مان بھرے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"وہ میں بعد میں بتاؤں گی۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

"اباس کی شادی کر دیں۔" اذہا نے مداخلت کی وہ کچن کے دہانے پہ کھڑی تھی۔ حائمہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ عنبر آنکھیں حیرت سے پھیلتی گئیں۔ اس نے اذہا کو گھورا۔

"ابا..." وہ بمشکل یہی بول سکی۔ پھر ایک چور نگاہ مجتبیٰ پہ ڈالی وہ بھی اسے ہی دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا وہ حائمہ کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا جیسے وہ اذہا کے تنگ ہونے پہ مسکراتا تھا۔ وہ نجانے کب سے پلر کے ساتھ ٹیک لگائے ہاتھ سینے پہ باندھے اسے یونہی دیکھ رہا تھا۔

"نہیں ابھی میری بیٹی بہت چھوٹی ہے۔" عالم صاحب کو اذہا کا مشورہ جیسے پسند نہ آیا ہو۔

"حد ہے ابا! چھوٹی کہاں بائیس سال کی ہو گئی۔" اذہا بدمزہ ہوئی تھی۔

"تم بھی تو بائیس کی ہی ہو تو کیوں نا پہلے تمہاری شادی کر دی جائے۔ اور خالہ کے پاس ایک اچھا رشتہ بھی ہے۔" حائمہ ابرو اچکائے تیزی سے بولی۔

"اماں نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔ پھر حائمہ کی جانب متوجہ ہوئی۔

"حائمہ میرے دو بڑے بھائی ہیں، ایک تو وہ کھڑا ہے۔" اذہا نے آنکھوں سے مجتبیٰ کی جانب اشارہ کیا۔ سب کی نظروں نے اذہا کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ وہاں مجتبیٰ پلر سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ سب کی نظریں یکدم خود پہ پا کر مجتبیٰ گڑبڑا سا گیا۔ پھر سیدھا ہوا۔

مجتبیٰ کے نام پہ امِ لیلیٰ نے کچن کی آدھی دیوار سے باہر جھانکا۔ وہاں مجتبیٰ کھڑا تھا۔ اوہ تو وہ جاگ گیا تھا۔

امِ لیلیٰ سب کام چھوڑ کر کچن سے نکلیں اور مجتبیٰ کی جانب لپکیں۔ مجتبیٰ مسکرایا۔ صرف ایک دن وہ انہیں نظر نہیں آیا تھا۔ اور انہوں نے اسے کتنا مس کیا۔ مجتبیٰ جانتا تھا اس کی ماں تسبیح کے ہر دانے پہ صرف اسی کی خیریت کے وظیفے پڑھتیں ہیں۔ ان کی ساری دعائیں مجتبیٰ کی سلامتی کے لیے ہوتیں تھیں۔ جانے کیوں وہ مجتبیٰ کی طرف سے اتنی ان سکیور رہتی تھیں۔

وہ مجتبیٰ کے گلے لگیں پھر اس کا ماتھا چوما۔

"کیسے ہو؟" وہ شدتِ جذبات سے بولی۔ ان کے ہر انداز سے مامتا کی تڑپ جھلکی تھی۔

"بالکل ٹھیک اور آپ؟" مجتبیٰ ان کا ماتھا چومتے ہوئے بولا۔

www.novelsclubb.com

"تمہیں دیکھ لیا ہے نا! اب میں بھی ٹھیک ہوں۔" وہ آنکھوں میں ڈھیروں پیار لیے بولیں۔

"مرتضٰی بھائی ٹھیک کہتے ہیں مجتبیٰ اماں کا پیارا، اذہا ابا کی لاڈلی اور میں سوتیلا!" (اس نے اپنے دوسرے بھائی کا ذکر کیا جو دبئی میں رہتا تھا۔)

"اذہا کبھی تو چپ ہو جایا کرو!" امِ لیلیٰ مجتبٰی سے نظریں ہٹائے بغیر بولیں۔

"ابا...؟" مجتبٰی نے جھک کر ماں کے کان میں سرگوشی کی۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں "سب ٹھیک ہے" کا عندیہ دے دیا۔

"جاؤ اپنے ابا سے مل لو! میں ناشتہ لاتی ہوں۔"

"توبہ ابا سے مل لو جیسے بڑا کارنامہ سرانجام دے کر آئیں ہوں موصوف صاحب!" وہ اماں کو دیکھتے ہوئے بولی۔ امِ لیلیٰ اذہا کو گھور کر رہ گئیں۔

"نہیں بس چائے پیوں گا۔" وہ یہ کہہ کر عالم صاحب کی جانب بڑھ گیا۔ امِ لیلیٰ نے سر ہلایا اور مسکرا کر کچن کی جانب بڑھ گئیں۔ اب ان کے چہرے پہ زمانے بھر کا سکون تھا۔

وہ حائمہ کی مخالف سمت اور عالم صاحب کے بائیں طرف والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔اسے بیٹھتا دیکھ حائمہ فوراً سے پہلے اٹھ کھڑی ہوئی اور اذہا کی جانب چلی گئی اور وہ دونوں دیوار کے ساتھ پشت ٹکائے کھڑی ہو گئیں۔

مجتبیٰ نے خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری۔پھر گلا کھنکار کر بولا۔

"سلام ابا "!!

عالم صاحب نے سر کو ہلکی سی اثبات میں جنبش دی۔

"وعلیکم السلام، برخوردار بڑے مصروف ہو آج کل !اذہا بتا رہی تھی کل رات کافی دیر سے گھر لوٹے۔"وہ عام سے لہجے میں بولے۔

حائمہ نور اور اذہا نور دونوں ٹیک لگائے کچن کی آدھی دیوار کے ساتھ کھڑی تھیں۔

"توبہ !!اب اندازہ لگانا مشکل ہے کون بڑا اداکار ہے ان دونوں میں سے !"اذہا نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔اذہا کی آدھی باتیں تو حائمہ کے سر سے اوپر سے گزرتی تھیں۔جانے کیا کیا بولتی رہتی ہے یہ لڑکی !

"جی ابا!" وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"ہاں آفس میں کوئی کام ہو گا۔ آفس والوں نے روک لیا تھا کیا؟" ان کا انداز سرسری تھا مگر آنکھیں سنجیدہ تھیں۔

"ابا بھی محلے کی عورتوں کے ساتھ رہ رہ کے بگڑ گئے ہیں۔" اذہا نے ہلکی سی سرگوشی کی' حائمہ نے اذہا کو گھورا۔ مجال ہے جو یہ لڑکی بولنے سے پہلے کچھ سوچ لے۔

"نہیں ابا! ! میں کل آفس میں نہیں تھا۔" وہ ہنوز نظریں جھکائے جوتوں سے فرش کھرچ رہا تھا۔

"اوہ تو آفس کے کام سے باہر گئے تھے؟؟" وہ جیسے متاثر ہوئے تھے۔ ان کی اداکاری پہ اذہا اش اش کرا اٹھی۔

"ویسے آپ کی اداکاری پہ بھی آپ کو ایک اچھا رول مل سکتا ہے۔" اذہا ابا کو سنانے کے لیے قدرے اونچا بولی۔ ابا خاموش رہے۔ حائمہ نے نظروں ہی نظروں میں اذہا سے پوچھا آخر بات کیا ہے۔ اذہا کندھے اچکا گئی کہ خود ہی سن لو۔

"نہیں وہ میں... میں حسن کے ساتھ تھا۔" وہ کسی سات سال کے بچے کی طرح ڈانٹ سے بچنے کی غرض سے دھیما سا بولا۔

"کیوں؟ خیریت؟" وہ پھر اسی انداز میں بولے۔

"ابا حسن اپنے کام کی وجہ سے کچھ پریشان تھا۔" وہ کن اکھیوں سے عالم صاحب کو دیکھے قدرے آہستہ رک رک کر جواب دے رہا تھا۔

"اور اس کا کام یقیناً کسی شوٹ سے متعلق ہو گا؟" اب وہ مجتبیٰ کی جھکی آنکھوں کو براہِ راست دیکھ رہے تھے۔

"جی ابا اسے کوئی ماڈل اتنے کم وقت میں نہیں مل رہا تھا تو"...

"تو آپ نے اپنی خدمات پیش کر دیں؟" ادھورا جملہ عالم صاحب پورا کر گئے۔ ان کا لہجہ سخت نہ تھا مگر ان کی آنکھیں۔۔۔۔!

"مجھے آپ سے پوچھنا چاہیے تھا میں شرمندہ ہوں ابا!" وہ قدرے دھیما بولا۔ وہ واقعی شرمندہ تھا۔

"آپ پوچھتے نہیں صرف آگاہ کرتے ہیں!" وہ مسکرائے تھے مگر یہ مسکراہٹ ان کی آنکھوں کو نہ چھو سکی۔ آج ان کی آنکھیں کچھ الگ ہی تاثر دے رہی تھی جیسے وہ سمجھوتہ کر چکے ہوں کسی بات پر!

"ابا میں جانتا ہوں میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا ہے۔ اسے میری آخری غلطی سمجھ کر معاف کر دیں۔ بس یہ پروجیکٹ پورا ہونے دیں۔ میں اس کے بعد یہ سب چھوڑ دوں گا۔" وہ بولا تو اس کے لہجے میں التجاء تھی۔ عالم صاحب نے اثبات میں سر ہلایا پھر مسکرا دیے۔

"میں نے ہمیشہ سے ایک لبرل باپ کا کردار ادا کیا ہے۔ تم تینوں کی خواہشات کا احترام کیا ہے۔ میں تنگ نظر کبھی نہیں رہا، نہ ہی کسی دوسرے کی دیکھا دیکھی تم لوگوں پہ ڈاکٹر یا انجینئر کی ڈگری حاصل کرنے پہ دباؤ ڈالا لیکن....!" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے یا وہ وہی بات بار بار دہرانا نہیں چاہتے تھے جو وہ اسے برسوں سے سمجھا رہے تھے کہ ماڈلنگ کوئی کام ہے بھلا۔

عالم صاحب نے گہرا سانس لیا۔

www.novelsclubb.com

"خیر!! زندگی تمہاری ہے تم بہتر جانتے ہو۔ جس طرح انسان میں خیر اور شر دونوں کا عنصر موجود ہے۔اسی طرح ہر شے خیر و شر کا مرکب ہے۔اب یہ تمہاری جستجو پہ منحصر ہے کہ تم خیر کی تلاش میں نکلتے ہو یا شر تمہیں اپنی نمائش و زیبائش میں اندھا کر دے۔" وہ پل بھر کو رکے۔

"ایک آخری بات کبھی بھی اپنی شہرت کی آڑ میں کسی غلط فعل کی تشہیر مت کرنا۔" ان آنکھوں میں تنبیہہ تھی۔

اور وہ جانتے تھے میڈیا صرف ایڈورٹائزمنٹ کا ہی ذریعہ ہے۔یہ کوئی کیریئر نہیں! ہر ٹرینڈ بنانے والا پہلے اپنا ٹرینڈ سوشل میڈیا انفلونسرز کو بیچتا ہے مطلب صاف اور سیدھا اگر آپ Halloween کا ٹرینڈ چلانا چاہتے ہیں تو سوشل میڈیا پہ موجود موسٹ فولوڈ ٹک ٹاکرز یا انفلونسرز کو کچھ رقم دیتے ہیں اور ایک ویڈیو بنانے کو کہتے ہیں جو وہ اپنے اکاؤنٹ سے اپ لوڈ کرتا ہے۔پھر اس کی دیکھا دیکھی نا جانے کتنے ہی لوگ اسی کام میں جت جاتے ہیں' پھر دھڑا دھڑ ویڈیوز بنتی ہیں اور ایک نئے غیر اخلاقی' غیر ملکی کلچر کا آغاز ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ رواج بن جاتا ہے۔

www.novelsclubb.com

اور عالم صاحب سب سے زیادہ اسی چیز سے ڈرتے تھے اگر ان کا بیٹا بھی غیر ملکی کلچر کی تشہیر میں لگ گیا تو؟ غیر ملکی اور غیر اخلاقی کلچر!

اس کے آگے وہ سوچنا ہی نہیں چاہتے تھے۔

"آپ ناراض تو نہیں مجھ سے؟" وہ سوچ میں ڈوبے عالم صاحب کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"اگر مذکورہ بالا نصیحتوں کو اچھے سے سمجھ لو تو نہیں ہوں ناراض!" وہ گم سم سے بیٹھے مسکرا دیے۔

"اگر آپ نہ بھی کہتے تو میں کبھی بھی اس راستے کی جانب نہ جاتا جس سے آپ کو تکلیف ہوتی۔" وہ پرامید سا بولا۔ ان بادامی آنکھوں میں مان تھا مگر ابا کی آنکھوں کا تاثر بتا رہا تھا کہ ایک مان تھا ٹوٹ گیا۔ اب ان آنکھوں میں سمجھوتے کا عکس تھا۔

"آرام کرنے جا رہا ہوں اپنے کمرے میں۔۔۔" متوازن لہجے میں کہہ کر وہ اٹھ چکے تھے۔ بغیر کسی کو دیکھے عالم صاحب ڈائننگ ہال سے نکل گئے۔

مجتبیٰ ان کی پشت کو دیکھے گیا۔

"چائے!" اذہا نے کپ اس کے سامنے رکھا۔ مجتبیٰ نے نظروں کا زاویہ اذہا کی جانب موڑا۔

"تم کیا کہتی ہو؟؟ اباب نہیں ناراض ناں؟" اس نے بہن کی جانب امید سے دیکھا۔

"مجتبیٰ عالم خان!! ذیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں۔ حائمہ نور یہاں تھی تو آپ کی بچت ہو گئی۔ ورنہ آپ پٹھانوں کے رد عمل سے بخوبی واقف ہیں۔" وہ شاید پہلے والی بات پہ ناراض تھی.... یا وہ صاف گو تھی۔

"اذہا بڑے بھائی سے ایسے بات کرتے ہیں؟" اماں کچن کی آدھی دیوار سے جھانک کر اسے ڈانٹ رہی تھیں۔

"چلو اب بندہ کچھ بول بھی نہیں سکتا!" وہ پیر پٹختی واپس پلٹ گئی۔ وہ پھر سے حائمہ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔

"بڑا بھائی ہے تمیز سے بولا کرو!" پھر سے اماں کی آواز کچن سے ابھری۔

"افف میں اپنے بھائیوں کے سوا سب کو بھائی کہہ سکتی ہوں اور

"اور؟؟" حائمہ نے اچنبھے سے اس کی جانب دیکھا۔

"اپنے شوہر کے سواسب کی عزت کر سکتی ہوں!! یہ ڈائیلاگ شادی ہونے کے بعد بولوں گی نا! سمجھا کرو ڈیئر کزن، مشرقی لڑکی ہونے کا بھی پاس رکھنا پڑتا ہے ورنہ بے شرم کا ٹیگ لگ جائے گا۔" وہ مسکراہٹ دبائے بول رہی تھی۔اوہ اس لڑکی کا کچھ نہیں ہو سکتا۔حائمہ نے سر جھٹکا اور مجتبٰی کی جانب بڑھ گئی۔

"آپ سچ میں..." حائمہ بات اُدھوری چھوڑ گئی۔ مجتبیٰ خفیف سا مسکرایا۔وہ اس کے شوٹ کے متعلق دریافت کرنے آئی تھی۔

"ہاں!! ایک عجیب سی غزل ہے۔"

"واہ کیسی غزل؟؟ میرا مطلب کونسی؟؟" وہ بے ساختہ ہی پر جوش ہوئی۔

"ہمم تھوڑی مشکل ہے۔" مجتبٰی نے لب بھینچے پھر آنکھیں سکیڑیں' اس کا یہ انداز نہایت دلکشش تھا۔وہ کچھ یاد کرنے کی سعی میں تھا۔

"مجھے مشکل غزلیں اچھی لگتیں ہیں۔" وہ یک ٹک اسے دیکھے قدرے آہستہ بولی۔ مجتبیٰ نظریں اٹھائے سامنے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ پھر حائمہ کی سماعتوں میں مجتبیٰ کی پر کشش آواز گونجی۔

"نہ تُو رہا نہ تو میں رہا، جو رہی سو بے خبری رہی۔" اس کی مسکراہٹ سمٹی۔ جھکی عنبر آنکھیں بے یقینی سے اٹھیں۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ بھوری بادامی آنکھوں سے بھی حیرت زدہ سی عنبر آنکھیں کہاں پوشیدہ تھی۔ مجتبیٰ کی آنکھوں میں الجھن در آئی۔ وہ اس حیرانی کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔

"کیا ہوا غزل پسند نہیں آئی؟" اس نے آنکھوں میں نرم سا تاثر لیے پریشانی سے پوچھا۔ حائمہ خاموش تھی۔ اس خاموشی کو مجتبیٰ کے موبائل پہ آنے والی کال نے توڑا۔ مجتبیٰ نے ایک نظر موبائل کو دیکھا، ایک نظر حائمہ کو۔

"اوہ.... آفس سے کال ہے، بات سننی پڑے گی۔" وہ حائمہ سے معذرت کرتا کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور فون کان سے لگائے ڈائننگ ہال سے نکل گیا۔

www.novelsclubb.com

"نہ تُو رہا نہ تو میں رہا...." حائمہ نے اس کے کہے لفظ دہرائے۔ وہ مجتبیٰ کی پشت دیکھ رہی تھی۔ ان الفاظ میں شناسائی کی رمق تھی۔ مجتبیٰ ایک پل میں عنبر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

"نہ تُو رہا نہ تو میں رہا....." وہی الفاظ دوبارہ مجتبیٰ کی آواز میں اس کے ذہن میں گونجے۔ شاید یہ الفاظ کسی شخص نے اپنی اُدھوری کہانی کے اختتام میں اپنی ڈائری میں رقم کیے ہوں گے۔

خیر!! اسے کیا... لیکن کسی کے الفاظ اس کے ذہن کو کیوں الجھا رہے تھے۔ وہ متذبذب سی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر ایک نظر خالی چائے کے کپ کو دیکھا۔ وہ مسکرائی تھی، بے وجہ ہی۔ یہ کیسی خوشی تھی جسے اس کے سوا کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ مگر وہ پھر اس کے ساتھ نہیں تھا۔ یہ کیسا دکھ تھا جس میں کوئی اس کا ہم درد نہیں تھا۔ وہ ہر بار کی طرح پھر سے پلٹ گیا تھا وہ ہر بار کی طرح پھر سے تنہا کھڑی رہ گئی تھی۔ حائمہ نے سر کو ہلکی سی جنبش دی، کپ اٹھایا اور کچن کی جانب بڑھ گئی۔

کہتے ہیں

محبت کی راہوں پہ چلنے والے

جب عشق کے اندھیروں کی طرف بڑھتے ہیں

تو ان اندھیروں میں دو راہیں نکلتیں ہیں

ہدایت کا نور اور گمراہی کی سیاہی

عشق اور اندھیرا

اندھیرے میں قلب کی آنکھ کو بیدار کرنا

پھر عشق کو کمال سمجھنا

پھر اس کمال کے ملال میں

خود کو برتر سمجھنا

عشق کی گستاخی ہے

www.novelsclubb.com

پامالی ہے ان جذبات کی

جس کی خاطر زندگی خاک کی گئی

عشق کی پستی جانتے ہو

گریباں چاک کرنا کنارہ کش ہونا

عشق کمال ہے اور کمال کو پا کر ہی

کمال تک پہنچتا ہے

www.novelsclubb.com

اس جنگل کی ہیبت کا اندازہ یہاں موجود صدیوں پرانے درختوں سے لگایا جا سکتا تھا جن کی زمین سے نکلتی جڑیں آس پاس پھیلی تھیں۔ جن کی شاخیں بلند اور زمین کی جانب ڈھلکی تھیں۔ خاموشی میں جنگلی حیات کی آوازیں کسی ڈراؤنے خواب سا منظر پیش کر رہیں تھیں۔اس کے پاس ٹوٹی ٹہنیاں اور جگہ جگہ زرد پتے بکھرے تھے اور کہیں رینگتے کیڑے مکوڑے!

وہ ایک پرانے درخت کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے دنیا و جہاں سے بیگانہ تھا۔ وہ سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا اس بات کا علم اس نفس کو خود بھی نہیں تھا۔ اس کے آس پاس کیا تھا کیسی آوازیں تھیں وہ ان سب سے بے پرواہ تھا۔ کیا وہ پلٹنے کا راستہ جانتا تھا یا وہ خود بخود اپنی منزل پہ پہنچ جاتا ہے۔ وہ تھک کر آرام کرنے یہاں تھا یا سکون کی تلاش میں تھا۔ اس کے حال کی خدا ہی جانے !

وہ اپنے مخصوص حلیے میں تھا۔ گلے کی ملائیں ویسی ہی تھیں ہاتھوں میں پہنی انگوٹھیاں اسے بھاری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ شاید کسی کو نہیں جانتا تھا یا سب بھلا بیٹھا تھا مگر جو آج تک نہیں بھلا سکا تھا وہ ان گھنگروؤں کی آواز تھی جو اب بھی اسے سنائی دے رہی تھی۔ اک پرانا زخم سا تازہ ہوا دل کا ! پھر اسے کل کی رات یاد آئی اور پھر خود سے کیا ایک عہد !

www.novelsclubb.com

کل کی پوری رات اسے کوئی اشارہ نہ ملا اور یہ بات صرف کل کی نا تھی۔ وہ خدا کی تلاش میں تھا نور کو دیکھنے کا طالب مگر آج تک یہ ممکن نہ ہو سکا۔ اور اب وہ خود سے عہد کر چکا تھا وہ ہر حد پار کرے گا چاہے اسے اب چالیس دن کا چلہ ہی کیوں نا کاٹنا پڑے ! اک عمر سے وہ یہی کر رہا تھا۔ بس اب آخری حدوں کو وہ پہنچ کر ہی دم لے گا۔

اور اگر پھر بھی ایسا نہ ہوا تو....اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔اس نے آنکھیں کھولیں اور سر اٹھا کر نظریں ادھر ادھر گھمائی'ہاں وہ جنگل میں ہی تھا۔وقت نا جانے کیا تھا....ان گزرے ماہ و سال میں اس کے نزدیک وقت صرف سورج کا نکلنا اور ڈھلنا پھر رات ہونا ہی تھا۔ تاریخ'سال'دن سرے سے ہی کوئی تصور نہ تھا۔تہوار کسی دن کو وہ مانتا ہی نہ تھا۔عید وہ کہتا تھا خوشی کے دن کو اور خوشی کو اس دن منائے گا جب اس کا مقصد پورا ہو گا۔اور اس کا مقصد تھا۔۔۔"خدا کو پانا"!

وہ خدا کو پانا چاہتا تھا بغیر خدا کو جانے!

وہ فضیلت چاہتا تھا بغیر تقوی اختیار کیے!

www.novelsclubb.com

وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔گلے میں لٹکی ملائیں آپس میں ٹکرا گئیں۔ایک شور سا گونجا جیسے ان دیکھے گھنگروؤں کی گونج تھی اس کی سماعتوں میں۔ایک پل کو لگا جیسا اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔یہ صرف ایک پل کی کاروائی تھی اگلے ہی پل وہ ہر احساس ہر آواز کو نظر انداز کر کے اس گہرے جنگل سے نکلنے کی غرض سے اپنے راستے کی جانب چل دیا۔

پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا اور وہ گہری نیند میں تھا۔ کمرے کی تمام لائٹس آف تھیں۔ اس کمرے میں کوئی کھڑکی نہ تھی جس سے گزرتے وقت اور بدلتے موسم کا اندیشہ ہو۔ اس کمرے کے دروازے پہ بھی ایک بڑا سا گہرے رنگ کا پردہ تھا۔ دروازے سے پھوٹتی روشنی کی لکیریں اس پردے سے ٹکرا کر واپس لوٹ جاتیں تھیں۔ اس کمرے کا تھیم گرے اور براؤن تھا۔ فرش ہارڈ ووڈ کا تھا۔ یہ کمرہ باقی کمروں کے برعکس کشادہ تھا۔ کمرے کے وسط میں بیڈ تھا اور ساتھ دو سائیڈ ٹیبل، دائیں جانب ڈریسنگ ٹیبل۔

www.novelsclubb.com

بیڈ کی سیدھ میں کافی فاصلے پہ ایک بڑا صوفہ اور ٹیبل بھی تھا گو کہ کمرے کی ہر چیز پرفیکٹ تھی۔

کل پوری رات وہ گھر سے باہر رہا تھا اور فجر کے بعد سے ہی کمرے میں بند تھا۔ یہ اس کا کمرہ تھا رجب عباس کا کمرہ!! وہ جب یہاں ہوتا تھا تو ہر چیز پہ ایک طلسم طاری ہوتا۔ اس خاموش کمرے کی ہر چیز خاموش تھی، ہر چیز اسی کی طرح پر سکون اور پر کشش تھی۔

ہر سماع، ہر منظر اندھیر تھا کہ اچانک اندھیرے کو چیرتی ہوئی ایک سیٹی کی سی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔اس کے وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔پھر اس نے بھاری پپوٹے کھولے۔

وہ اس کا موبائل تھا جو مسلسل بج رہا تھا۔اس نے پاس پڑے موبائل کو ہاتھ میں لیا اور موبائل کو دیکھے بغیر کال ریسیو کی۔

"ہیلو؟؟" وہ بولا تو آواز خمار آلود تھی۔

"تم ابھی تک سو رہے ہو اور ابا مجھے تمہاری مثالیں دیتے ہیں، کمال ہے!!" مقابل طنزیہ انداز میں تیکھے لہجے میں بولا۔

رجب کہنیوں کے بل اٹھا اور اپنا سر پیچھے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹکا گیا۔پھر پاس پڑا ایک تکیہ اپنی گود میں رکھ لیا اور اس کے گرد اپنا بازو حمائل کر لیا۔

"کچھ بولو گے کہ نہیں؟" فون سے پھر وہ تیکھی سی آواز ابھری۔

"ہاں؟ کل رات باہر تھا کسی کام سے ابھی....." رجب کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ اپنی کہنا شروع کر چکا تھا۔

"تم میری غیر موجودگی میں ابا سے ملے!" اوہ خدایا اس کی یہ بات کاٹنے کی عادت! رجب لب بھینچ کر رہ گیا۔

"میں نہیں ملا وہ ملے تھے، ایسے ہی سلام دعا کرنے!" اس نے آنکھیں موندے عام سے لہجے میں جواب دیا۔

"سلام دعا کے بعد کیا بات ہوئی؟" مقابل تفتیش کے موڈ میں تھا۔ رجب کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ حیران سا اسے سن رہا تھا۔

"کیا ہوا اتنی تفتیش کس بات کی.....؟؟ میں کونسا انکل سے پہلی بار ملا ہوں؟؟" اسے واقعتاً حیرت ہوئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"تم بس جواب دو میری ہر بات کا۔۔۔ اب بتاؤ اس کے بعد کیا بات ہوئی؟" وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ جانے کس بات کا غصہ تھا مقابل کو!

"آپ کے مزاج کیسے ہیں؟؟" رجب نے عام سے لہجے میں جواب دیے آنکھیں پھر سے بند کر لیں۔

"کیا؟ کس کے ؟؟ پہلے میری بات کا جواب دو!!" مقابل گڑبڑایا تھا۔

"ابے اگلی بات ہی بتائی ہے! یہی پوچھا تھا میں نے!!" وہ بدمزہ ہوا۔

"اچھا پھر؟" مقابل کا غصہ بھی کہاں کم ہونے والا تھا۔اس نے پھر سے تفتیش شروع کر دی۔

"ٹھیک!" رجب نے ٹھیک کہہ کر شانے اچکا دے۔

"ہیں؟ کیا ٹھیک؟؟ "

"اوہو... انکل نے یہی جواب دیا تھا۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

"میں تمہارا خون پی جاؤں گا.. سیدھی بات بتاؤ!" پھر غصیلی آواز فون سے ابھری۔

"نہیں تمہارا اور میرا بلڈ گروپ میچ نہیں کرے گا!! رکو میں پتہ کرتا ہوں اپنے کسی دوست سے وہ انتظام کر دے گا۔" وہ واقعی اب نیند سے جاگ گیا تھا۔اب کوئی کہاں اس کے سامنے ٹھہر سکتا تھا۔وہ بھی رجب تھا!

www.novelsclubb.com

"تم۔۔۔کاش میرے سامنے ہوتے!!" بالکل اگر وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے ہوتے تو اب تک بات ختم ہو کر ہاتھا پائی تک پہنچ جانی تھی۔"تم نے ابا کو میری شوٹنگ کے بارے میں بتایا؟؟"اب مقابل نے مدعے کی بات پوچھی۔

"چلو!!تو بندہ سیدھا سیدھا پوچھ لے نا!!آیا بڑا ایک رپورٹر کا انٹرویو کرنے والا!!اونہہ!!" وہ عجب بے نیازی سے شانے اچکا گیا۔

"بتاؤ کیا بات ہوئی؟؟شوٹنگ کا کیسے پتہ چلا ابا کو؟'مقابل اس کے اس انداز سے متاثر ہوئے بغیر ایک بار پھر غصے سے بولا۔

"مجتبیٰ تمہاری قسم میں نے شوٹنگ کا نام تک نہیں لیا۔وہ ہم بس کہیں باہر ملے اور وہاں کہیں پاس بہت اونچی آواز سے گانے لگے تھے۔"اس نے ماتھے پہ بکھرے بالوں کو پیچھے کرتے لب بھینچے کمال معصومیت سے جواب دینا شروع کیا۔

"ایک منٹ!!تم اور ابا کہیں باہر ملے!!ایسا ہی ہے نا؟"مجتبیٰ نے پھر اس کی بات کاٹی۔کہاں سدھرنے والا تھا یہ مجتبیٰ بھی۔

"بالکل!"اس نے جیسے داد وصول کی ہو۔

"اور تو اور وہاں گانے بھی لگے تھے؟؟"

"ہاں بالکل!!"رجب نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا تم اور ابا یہ کلب کب سے جانے لگے؟"

"استغفراللہ!!تم جہنم میں جاؤ گے،توبہ توبہ!!اپنے پرہیز گار ابا اور شریف النفس دوست پہ ایسے گھٹیا الزام لگاتے ہوئے شرم نہ آئی تمہیں؟"وہ مصنوعی غصے میں اسے جھڑک رہا تھا۔پھر اس کی آنکھوں میں شرارت ابھری۔

"پیر عالم خان صاحب بلکل ٹھیک فرماتے ہیں۔"وہ لب دبائے سر ہلا کر کسی بات کی تائید کر رہا تھا۔

"ہیں؟کونسے پیر؟؟"مقابل الجھا تھا۔

"ابے تمہارے ابا حضور"!

"تم مرو گے میرے ہاتھوں سے!" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

"پہلے پوچھو تو صحیح کیا فرماتے ہیں؟"

"بتاؤ کیا فرماتے، اوہو کیا کہتے ہیں؟" مقابل نے سر جھٹک کر اپنی تصحیح خود کی۔

"نافرمان اولاد!" وہ مسکراہٹ دبائے بولا اور مجتبیٰ کو تپانے کے لیے یہی الفاظ بہت تھے۔

"تم..!" وہ ضبط سے مٹھیاں بھینچ گیا۔

"چلو آگے بتاؤ پھر کیا بات ہوئی؟" کچھ توقف کے بعد پھر سے وہ وہی سوال پوچھنے لگا۔ ایک تو یہ مجتبیٰ کسی بھی چیز کے پیچھے پڑ جائے تو چھوڑتا نہیں!

"ہاں! تو پھر ہم دو شریف النفس انسانوں نے موسیقی پہ تبادلہ خیال کیا کہ کس طرح یہ موسیقی بے حیائی کا باعث بنی ہے وغیرہ وغیرہ!!" وہ سر کھجاتے ہوئے دور فضا میں کچھ تلاش رہا تھا۔

"پھر انکل نے کہا بیٹا تم تو نہیں سنتے نا یہ گانے وانے؟؟ میں نے کہا.... نا! انکل خدا کا خوف کریں ہمارے پاس تو اتنا ٹائم ہی نہیں ہوتا! بس اگر گانا اپنے کسی بہت قریبی دوست کا ہو تم شاید میں سن لوں..." وہ رپورٹر تھا مگر کمال کی اداکاری کر رہا تھا۔

"پھر انکل نے کچھ الجھی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر شکریہ بول کر واپس چلے گئے۔ بس یہی بات ہوئی۔" مجتبیٰ نے اپنا سر تھام لیا۔

"جانے کیا گناہ کیا تھا جو تم جیسا دوست ملا مجھے!!" مقابل ضبط کے آخری مراحل میں تھا۔

"شاید ماڈلنگ ہی..... چچ چچ!! بتاؤ اب کب چھوڑ رہے ہو؟ کیا پتہ اسے چھوڑنے سے تمہاری جان بھی مجھ سے چھوٹ جائے۔" رجب مجتبیٰ کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ کاش وہ اس کے سامنے ہوتا اور وہ اس کے چہرے کے بگڑتے زاویے بھی دیکھ سکتا۔

"اگر ایسا ہے تو آج سے چھوڑ دیتا ہوں!!" وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔

www.novelsclubb.com

"حسن تجھے جان سے مار دے گا.... پورا پروجیکٹ تم نے سائن کیا۔ اگر اپنی جان کی امان چاہتے ہو نا تو اب مجھے تنگ نہ کرنا ورنہ تم تو ایک رپورٹر کی پاور جانتے ہی ہو!!" وہ پھر سے اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔

"ہاں جھوٹی خبریں بنا کر جو پھیلانی ہوتی ہے او نہہ آیا بڑا رپورٹر، فسادی کہیں کا۔"

"ہاں بس تمہاری اسی خوش اخلاقی سے متاثر ہو کر تمہارے ابا حضور کو ڈھکے چھپے الفاظ میں تمہاری رپورٹ دیتا ہوں۔"

"رپورٹ نہیں مسٹر رجب اسے چغلی کہتے ہیں اور " ...

"تم....!!! وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

بیک وقت اس کے دروازے پہ دستک ہوئی۔ وہی دستک جو دستک نہیں یاد دہانی تھی کس وعدے کی۔ کسی نے اس کے دروازے پہ تین بار اپنی انگوٹھی سے دستک دی۔ انگوٹھی کا سیاہ نگینہ دروازے پہ ٹکرا رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

مجتبیٰ کی آواز مبہم سی ہوتی جا رہی تھی۔اس نے میکانکی انداز پہ موبائل بیڈ کے ایک جانب رکھا۔

مجتبیٰ ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔

گود میں رکھا تکیہ بیڈ پہ دروازے کی سمت رکھا اور اپنا چہرہ اسی تکیے پہ گرا گیا۔وہ یاسیت سے، محبت سے اور کچھ سرشاری سے سامنے دروازے کی جانب دیکھے گیا۔

ایک دستک

کسی کے دل پہ

ایک یاددہانی

کسی وعدے کی

طویل انتظار

کسی بندھن کا

مگر ایک ضبط سا

www.novelsclubb.com

خاموشی کا

محبت میں بھی یاد دہانی ضروری ہوتی ہے۔اور زہرا شاید اسے اپنے انداز میں یاد بھی کرواتی تھی۔

مسئلہ عورت کی انا کا ہوتا ہے وقار کا ہوتا ہے ورنہ محبت کو پانا مشکل نہیں ہوتا۔

زہرا رجب کے ماموں کی اکلوتی بیٹی تھی۔رجب کا رشتہ زہرا سے کچھ سال قبل دونوں خاندانوں کی مرضی سے طے ہوا تھا۔ مگر پھر کچھ ایسا ہوا جس نے ان کی زندگیاں بدل دیں۔

زہرا کے والد کالم نگار تھے اور یہی کام ان کی موت ثابت ہوا۔ کرپشن پہ ایک آرٹیکل لکھ رہے تھے جس میں صرف کرپشن ہی نہیں ڈالرز کی اسمگلنگ اور جانے مانے ماڈلز کے نام بھی منظر عام پر آئے مگر نہ یہ آرٹیکل پورا لکھا جا سکا اور نہ ہی کہیں پرنٹ ہو سکا۔ صرف یہ ہی نہیں کچھ دنوں کے بعد زہرا کو اس کے والدین کی موت کی اطلاع ملتی ہے۔یہ ایک حادثہ تھا کار ایکسیڈینٹ۔۔۔

کیسا حسین اتفاق تھا نا؟؟ ہمارے ملک کے اتفاق!! حسین اتفاق!!

خیر! اب ان دونوں کو جلد یا بدیر ایک رشتے میں بندھنا تھا۔وہ کیوں اتنا لاتعلق ہو گیا تھا۔

"رجب عباس کبھی اپنی زہرا سے لاتعلق نہیں ہو سکتا۔" وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

www.novelsclubb.com

دروازے کے پار کھڑی زہرا کو پل بھر کو لگا رجب کی آواز بہت پاس سے سنائی دی جیسے وہ اس کے کان میں کچھ کہہ رہا ہو۔ کوئی اعتراف، کوئی اظہار، کوئی سرگوشی۔

"تھوڑا سا انتظار اور کر لیں بس آ رہا ہوں!!" وہ یاسیت سے بند دروازے کو دیکھے قدرے ہولے بولا۔ وہ جانتا تھا اس کی آواز زہرا تک نہیں پہنچ سکتی۔

زہرا جانتی تھی رجب اس سے ناراض ہے لیکن ان کا رشتہ اس ناراضگی کی بھینٹ چڑھ جائے وہ شاید یہ کبھی نہیں چاہتی تھی۔

اس رشتے کے علاوہ بھی اس کے پاس کئی دکھ تھے رونے کے لیے سوا ایک اور سہی!!۔

زہرا نے بھی اپنے تئیں کبھی اس سے کھل کے بات نہ کی۔ وہ اپنے والدین کی وفات کے بعد بہت ریزرو رہنے لگی تھی۔ دنیا کے ہر معاملے سے لاتعلق، چپ سی، بولے تو آواز میں نمایاں کرب ہوتا۔ وقت کا سحر کسی انسان کو تلخ اور زبان دراز بنا دیتا ہے اور کسی سے اس کی آواز ہی چھین لیتا ہے۔ حلق سے آواز نہیں لفظوں میں لپٹی سسکیاں نکلتیں ہیں۔

ہر بار کی طرح وہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی۔رجب خاموشی سے سامنے بند دروازے کو دیکھ رہا تھا۔اس نے دوبارہ دستک نہ دی۔کیا وہ چلی گئی؟رجب نے لب بھینچے 'پھر نفی میں سر ہلایا۔وہ جا ہی نہیں سکتی 'وہ اداسی سے مسکرایا۔رجب ہتھیلیاں بیڈ پہ جمائے پوری قوت سے اٹھا اور اسی انداز سے بیڈ سے نیچے اترا 'سلیپرز پہنے اور قدم باتھ روم کی جانب بڑھا دیے۔باتھ روم کے دروازے پہ وہ پل بھر کو رکا۔باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔دروازے کے پار دور جاتے قدم۔۔۔

وہ جان چکی تھی کہ رجب اٹھ گیا ہے سو وہ پلٹ گئی۔

وہ پلٹ چکی تھی سو اس نے بھی قدم آگے بڑھا لیے۔

www.novelsclubb.com

کچھ دیر بعد وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا پرفیوم کی بوتل پکڑے اپنا اگلا منصوبہ سوچ رہا تھا۔وہ گہرے سبز رنگ کی آدھی آستینوں والی ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس تھا۔گیلے بال ماتھے پہ گرے تھے۔اس نے پرفیوم کی بوتل اپنے گلے کے قریب کی۔پھر انگلی سے اوپری حصے پہ دباؤ ڈالا۔ایک پھوار سی اس کے گلے میں محسوس ہوئی۔یہی عمل اس نے کئی بار دہرایا۔اس نے

پرفیوم دوبارہ اپنی جگہ پہ رکھ دیا۔وہ آئینے کے سامنے کھڑا نظریں کسی اور نقطے پہ جمائے کچھ سوچ رہا تھا۔ایک دلکش مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔"عبید صاحب!"اس نے ہلکی سی سرگوشی کی۔پھر ڈریسنگ کے سامنے سے ہٹ گیا۔

اس نے سائیڈ ٹیبل پہ پڑا موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔

"کیسے ہیں عبید صاحب آپ؟ویسے خیریت تو میں سب کی خود ہی معلوم کر لیتا ہوں۔ایک بات بتانی تھی اسی لیے آپ کو زحمت دی۔"وہ چہرے پہ پرکشش مسکراہٹ سجائے اپنے ازلی نرم مگر لو دیتے انداز میں بول رہا تھا۔

"ارے عبید صاحب آپ اس بات پہ اب بھی ناراض ہیں!"وہ چہرے پہ مصنوعی حیرت سجائے بولا۔"خیر ایک بہت خوبصورت ویڈیو آپ کو بھیج رہا ہوں لیکن آگے کا کام آپ کو میری مرضی سے کرنا ہو گا۔"آنکھوں میں پھیلی حیرت اب سمٹ گئی'اس حیرت کی جگہ اب سنجیدگی در آئی۔

"ہاں بہت اچھا سوال کیا آپ نے! بھلا آپ کیوں میری مدد کریں گے۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے آپ میری مدد نہیں، میں آپ کی مدد کر رہا ہوں!" وہ مقابل کے انداز سے محظوظ ہوا تھا۔

"وہ آپ کے ہمدانی صاحب کی طرف کچھ حساب رہتے تھے۔ وہ پورا کرنے میں میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ "

"ارے نہیں.... نہیں! رجب عباس کسی غرض کے بغیر مدد کرتا ہے۔ صرف آپ کو کرنا یہ ہے کہ اس ویڈیو کو اس وکیل کے ہاتھ دینا ہے جو پورے سسٹم کو مفلوج کر کے مجرم کو اس کے انجام تک پہنچا دے' باقی کا کام میں خود کر لوں گا!" جیسے آگے کا کام کوئی مسئلہ ہی نہیں اس کے لیے! اس کے چہرے پہ کمال کی خود اعتمادی تھی۔

اس نے کال کاٹ دی۔ کچھ دیر یونہی موبائل پہ جھکا رہا۔ پھر موبائل واپس رکھ دیا۔ شاید وہ ویڈیو بھیج چکا۔

اب اسے رات کا انتظار تھا۔ اپنی آخری چال کا! آخری وار ابھی باقی تھا!

www.novelsclubb.com

اور وہ جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں!

آدم اور مراد کی بستی

کچی بستی

ریت کے ٹیلوں کی بستی

تھرپارکر کی بستی

www.novelsclubb.com

یہ بستی صحرا کے قریب ترین بستیوں میں سے ایک تھی۔ جہاں پانی کی قلت عروج پر تھی۔ دنیا کا وہ واحد صحرا، صحرائے تھر ہے جس کے کچھ علاقے زرخیز بھی ہیں۔ لیکن آدم اور مراد کی بستی ایسے علاقوں سے کوسوں دور تھی۔ یہاں آباد بستیوں میں سال میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ

لوگ اپنے کچے مکانوں کو مقفل کر کے قریب کی بستیوں میں پناہ لے لیتے۔ جہاں کچھ پانی میسر ہو۔

آدم اور مراد کی بستی اس ظالم صحرا کے قریب تھی جو دریائے سرسوتی پی چکا تھا۔ اسے سخت بے رحم زمین بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں ریت کے طوفان اٹھتے ہیں۔ یہاں کے دن اور رات اس قدر خاموش اور ویران ہوتے ہیں گویا کسی کے یہاں ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔

اس کچی بستی میں آؤتوریوڑ کے جانور خاموش اور ماتم گر تھے۔ اڑتے پرندے اداس اور نوحہ گر تھے۔ سورج سوا نیزے پہ معلوم ہوتا تھا اور ریت آگ کی سی تپش لیے تھی۔

اس کچی بستی میں ریت اور مٹی سے بنائی گئیں جھونپڑیاں تھی جس کی چھت خاردار جھاڑیوں سے کاٹی گئی ٹہنیوں اور درختوں کی چھال سے بنی تھی۔ جسے مقامی زبان میں گھوپا یا چھڑا کہتے تھے۔

انہی مٹی سے لیپے گھروں اور گھوپے کی چھت والی ایک جھونپڑی آدم کی بھی تھی۔ جہاں وہ اپنی ماں اور دادی کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کی جھونپڑی میں ایک صندوق، چند برتن جو دیواروں پہ

سجائے گئے تھے، مٹی کی مدد سے ہاتھ سے بنا ایک چولہا، ہاتھ سے چلنے والی چکی اور ہاتھ سے بنی پنکھیاں تھیں اور دو چارپائیاں۔۔۔

یہاں کے لوگوں کی کل کائنات!

یہاں کے لوگ بجلی، کیبل، نیٹ سے اتنے ہی لاعلم ہیں جتنے لاعلم ہم ان کے مسائل سے ہیں۔

"ماں!!" وہ ماں کی گود میں سر رکھے آنکھیں موندے پکارا۔ لکڑیوں اور ٹہنیوں کی بنی چھت میں شگافوں سے دھوپ چھن کے اندر آ رہی تھی۔ اس جھونپڑی کا دروازہ بھی موٹی لکڑیوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔

"کیا ہوا میرے چاند۔" وہ آدم کا گال سہلاتے ہوئے محبت سے چور لہجے میں بولیں۔

"ماں، مراد کو کیا ہوا ہے؟ آدم کی آواز میں فکر تھی، پریشانی تھی۔

"پتہ نہیں اسے کیوں آئے روز بخار ہو جاتا ہے۔ تم فکر نہ کرو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔" ماں نے مسکرا کر اسے تسلی دی۔ پھر اس کا ماتھا چوما۔ وہ خاموش سا شگاف سے آتی سنہری دھوپ کو دیکھے گیا۔ کچھ لمحے یونہی دھوپ کو دیکھتے سرک گئے۔ پھر اسے اپنی ماں کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"خان بابا کو کسی نے بلایا؟" ماں نے سرسری سا پوچھا۔

"ہاں ماں وہ چاچا کہہ رہے تھے کہ آج بابا ادھر سے گزریں گئے تو ادھر چکر لگا جائیں گے۔"
آدم اوپر گھوپے پہ نظریں مرکوز کیے بولا۔

یہ گھوپے والی چھت تکون کی طرح تھی۔اس پہ آڑی ترچھی لکڑیاں جوڑیں گئیں تھیں۔ان لکڑیوں کے درمیان خلا تھا جہاں سے دھوپ اس کی جھونپڑی میں داخل ہوتی تھی۔

ایک بار پھر خاموشی کا عالم تھا۔آدم ہنوز چھت کی جانب متوجہ تھا۔کتنا شوق تھا اسے کہ کبھی یہاں بارش ہو۔پھر ان شگافوں سے پانی کے قطرے برسیں۔اس کی ماں پھرتی سے بکھرے کپڑے اس ایک واحد صندوق میں رکھے تاکہ گیلے نہ ہو۔پھر آدم اور مراد باہر جا کر اس بارش میں ایک دوسرے پہ پانی پھینکیں۔

اوہ کاش کبھی ایسا ہو! لیکن کبھی ایسا نہ ہوا۔نہ کبھی بارش برسی نہ کبھی بادل آئے۔اس کی زندگی میں بس دھوپ تھی قسمت میں صرف تپش تھی۔وہ بارش سے اب ناامید ہو چکا تھا۔لیکن پھر ماں کی بات یاد آجاتی تھی۔

www.novelsclubb.com

"صحراؤں میں بھی پانی کے چشمے پھوٹے ہیں اگر خدا کا کوئی نیک بندہ اپنے ایمان پہ پورا اتر جائے۔خدا کی جانب سے آئی آزمائش پہ صبر کرے اور صبر ایسا ہو کہ آزمائش کے بعد ایمان پہلے سے بھی زیادہ بڑھ جائے۔وہ آزمائشیں حقیقتاً مصیبت ہوتیں ہیں جن کے ٹلنے تک ایمان ڈھل جاتا ہے۔"ماں کی باتیں اس کے ذہن میں گونج رہیں تھیں۔

"کچھ لوگوں کے ایمان کی آزمائش سے قیامت تک ان پامال جگہوں کو مقدس کر دیا جاتا ہے!"

اسے ماں کی بات حرف بہ حرف یاد تھی۔اس کی ماں کبھی ناامید نہ ہوتی تھی۔

"اگر اس صحرا میں بھی کوئی اپنے ایمان پہ پورا اترا آیا تو ہمیں بھی یقیناً نوازا جائے گا۔"اس کی ماں کے الفاظ پھر ایک بار آدم کی سماعتوں میں گونجے۔اب وہ بھی ناامید نہ تھا۔

www.novelsclubb.com

مراد!!اس کے ذہن میں اس کے بیمار دوست کا چہرہ ابھرا۔وہ تکلیف سے لب بھینچ گیا۔

خاموش وقت قطرہ قطرہ کسی موم کی مانند پگھل کر اسی صحرا میں دفن ہو رہا تھا۔

"ماں!!"کافی دیر بعد وہ پھر محتاط انداز میں گویا ہوا۔

"کیا ہوا آدم....؟؟"اس کی ماں پھر پیار بھرے لہجے میں بولی۔آدم جب بھی ماں کو یوں پکارتا تھا اس کا مطلب اس کے سوالات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔آدم کو ہر بات جاننی ہوتی تھی۔اس کا بہترین مشغلہ سوال پوچھنا تھا۔اور پسندیدہ لفظ "کیوں" تھا۔

"ماں میں ایک اچھا انسان نہیں ہوں!"وہ اداسی سے بولا۔

"اونہہ ایسے نہیں کہتے،ابھی تم چھوٹے ہو اگر ایسے ہی سوچتے رہے تو۔۔۔"اس نے ماں کی بات کاٹی۔

"تو ایسا ہی بن جاؤں گا ناماں!!ہیں نا؟؟وہ ماں کی گود سے سر اٹھائے بولا۔

"ہاں میرے چاند!"وہ مسکرادی۔

"لیکن میں ایک اچھا انسان نہیں ہوں میرا دوست تکلیف میں ہے اور میں یہاں چھپ کے بیٹھا ہوں،مجھے اس کے ساتھ ہونا چاہیے۔لیکن ماں پتہ نہیں کیوں میں ایسا نہیں ہوں مجھے ڈر لگتا ہے اگر اسے زیادہ درد ہوا اور میں اس کا درد دور نہ کر سکا تو۔۔؟ماں ہم کیوں کسی کا درد دور نہیں

www.novelsclubb.com

کر سکتے؟؟"اس کے معصوم سے چہرے پہ بے بسی تھی۔آنکھوں میں کرب تھا۔وہ کیوں اتنا حساس تھا۔ایک بارہ سال کا بچہ اس نہج پہ کیسے سوچ سکتا تھا۔

"ہمارا تو خود پہ کچھ اختیار نہیں تو دوسروں کا درد کیسے دور کر سکتے ہیں!"ماں زخمی سا مسکرائی۔

"ماں پھر یہ خان بابا کیسے دوسروں کا درد دور کرتے ہیں۔"آدم کا انداز پل میں بدلا۔وہ اب الجھن کا شکار تھا۔

"خان بابا کے ہاتھ میں اللہ نے شفا رکھی ہے۔"ماں اطمینان سے بولی۔

"اللہ نے میرے ہاتھ میں شفا کیوں نہیں رکھی؟؟آپ کے ہاتھ میں شفا کیوں نہیں رکھی؟"وہ شکایتی نظروں سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔

"بس کچھ لوگوں پہ اللہ کا کرم ہوتا ہے۔"ماں کا لہجہ نرم تھا۔

"ہم پہ اللہ کا کرم کیوں نہیں؟؟"

"بس آدم ایسے نہیں کہتے۔۔۔کچھ بھی بول دیتے ہو تم"!

www.novelsclubb.com

"ماں ہمارا خود پہ کچھ اختیار نہیں تو خان بابا کا کیسے اختیار ہے۔۔۔؟" ماں کچھ جز بز ہوئی۔

"آدم ابھی تم چھوٹے ہو تم جلد سمجھ جاؤ گے۔ "

"تو ماں آپ سمجھا دو نا۔۔۔" ماں اب کی بار چپ رہی۔کچھ لمحے یونہی خاموشی کی نظر ہوئے۔

آدم نے پھر سوالات کا ٹوٹا سلسلہ جوڑا مگر اس بار موضوع خان بابا نہیں تھے۔

"ماں اللہ سے کیسے مل سکتے ہیں؟"

"نماز کے زریعے"!

"ماں اللہ سے بات کیسے کر سکتے ہیں؟"

"دعا کے زریعے"!

"ماں اللہ کی بات کیسے سن سکتے ہیں؟"

"اللہ کی کتاب کے زریعے"!

"ماں اللہ کو دیکھ کیسے سکتے ہیں؟"

www.novelsclubb.com

"آدم اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا"!

"کیوں ماں؟ کیوں وہ ہمیشہ چھپا رہتا ہے؟"

"ماں کیا اسے کسی نے دیکھا ہے؟" وہ سانس روکے جواب کے انتظار میں تھا۔

"ہاں دیکھا ہے"!

"ماں کس نے؟" وہ یکدم ہی پرجوش ہوا۔

"وہ جس کی محبت ہم پہ فرض کی گئی۔اور آدم بتا کس کی محبت ہم پہ فرض کی گئی؟"

"صرف ایک انسان کی، جس کی بات کے آگے کوئی اپنی آواز بلند نہیں کر سکتا! اللہ کے محبوب، امامِ کائنات، سید الاولین والآخرین، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، سیدنا و مولانا امامِ اعظم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!" وہ کسی رٹے رٹائے سبق کی طرح بولے گئے۔اس کے ہر لفظ، ہر انداز پہ ماں کے رونگھٹے کھڑے ہوتے گئے۔ان کی آنکھیں آنسوؤں سے چمکیں۔ایک سنسنی سی ان کے بدن میں دوڑی۔

"اور....اگر.....کسی نے آواز بلند کی؟"ان کی آواز بھیگی تھی۔وہ شدتِ جذبات سے بے ربط،ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بول رہی تھیں۔

"تواس کے تمام اعمال برباد ہو جائیں گے۔"وہ پھر اسی انداز میں بولا۔وہ نم آنکھوں سے مسکرا دیں۔

وہ محبت کس قدر خدا کو محبوب ہو گی جو خدا کے محبوب سے منسوب ہو اور یہ محبت آدم کو وراثت میں ملی تھی اپنی ماں سے'آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت!

وہ انسان کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں جنہیں یہ محبت وراثت میں ہی مل جاتی ہے!

وہ اب ماں کی گود سے اپنا سر اٹھا چکا تھا اور اب اس کا رخ باہر کی جانب تھا۔

"آدم کہاں جا رہا ہے تو؟"ماں اسے باہر جاتا دیکھ پوچھنے لگی۔

"اللہ سے ملنے،مجھے اسے بہت کچھ بتانا ہے اور بہت کچھ پوچھنا ہے!"وہ بارہ سال کا بچہ سنجیدگی سے بولا'ماں مسکرا دیں۔

پھر وہ رک گیا اب اس کے چہرے پر الجھن تھی۔"ماں یہ کیسی ملاقات ہے کہ میں اسے دیکھ ہی نہیں سکتا!"پھر مایوسی نے اسے کہیں سے آگھیرا تھا۔وہ جو کہیں سے سحر کی ایک پو پھوٹی تھی اندھیرے میں تحلیل ہوتی نظر آئی۔

"آدم! ملاقات کے لیے دیدار شرط نہیں ہوتی!"ماں نرم لہجے میں چہرے پہ مسکراہٹ سجائے بولی۔آدم کے لبوں کو بھی مسکراہٹ نے چھوا۔اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا اور باہر بھاگ گیا۔

آدم کی ماں اس بستی کی واحد کم عمر سمجھ دار عورت تھی۔جو اس علاقے سے آئی تھی جو شہر کے کچھ قریب تھا۔آدم کی ماں ان سب میں کچھ علم بھی رکھتی تھیں۔

www.novelsclubb.com

اس کی کار زمان محل کے باہر رکی۔ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر ہی چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔کوئی پوچھ گچھ کوئی چیکنگ کچھ بھی نہیں...اوہ گریٹ!!وہ سکیورٹی کے جانچ پڑتال کے کسی عمل

سے نہ گزاری گئی۔البتہ گزشتہ چند روز پہلے وہ جب اس محل میں آئی تو اس کی اچھی خاصی عزت افزائی کی گئی تھی انہی گارڈز کی جانب سے 'اس کی گاڑی کی تلاشی لی گئی۔ عریشے کے کلچ کی تلاشی لی گئی۔اس کا نام پتہ اور نا جانے کیا کیا پوچھا گیا تھا۔

اس دن اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ دوبارہ یہاں کبھی نہیں آئے گی۔ لیکن دوست ہاں اس کی دوست شاید تکلیف میں تھی۔اور وہ یہ کڑوا گھونٹ پینے کے لیے تیار تھی۔ مگر آج کا منظر ہی تبدیل تھا۔بس سلیوٹ کرنا باقی تھا۔ہائے کاش ایک آدھ گارڈ سلامی بھی پیش کر ہی دیتا۔اس نے ایک سرد آہ بھری۔

وہ حیران سی کار ڈرائیو کرتی طویل ڈرائیوے سے ہوتی ہوئی سبزہ زار پہ آ رکی۔"اونہہ حرام کا پیسہ لگانے کے لیے عقل کی ضرورت ہوتی ہے!"وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔"اور عقل تو ان کی...."دفعتاً کسی نے کار کا شیشہ بجایا۔ عریشے کی آدھی بات منہ میں ہی رہ گئی۔اس نے بوکھلا کر گردن شیشے کی جانب گھمائی۔اسٹیئرنگ سے ہاتھ ہٹا کر جلدی سے شیشہ نیچے کیا۔پھر باہر جھانکا۔

www.novelsclubb.com

"میم آپ یہاں سے سیدھی اندر جا سکتی ہیں۔ میں آپ کی کار پارک کر دوں گا۔" ایک گارڈ نظریں جھکائے سپاٹ چہرہ لیے بولا۔

"ایلین کا بچہ...." وہ جی بھر کر بیزار ہوئی تھی۔ پھر لب بھینچے 'سر اثبات میں ہلایا۔

"اونہوں... چل عریشے نکل یہاں سے!" وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔ پھر اس نے اپنا کلچ اور فون اٹھایا اور سر ہلا کر کار سے باہر نکل گئی۔ گارڈ پھرتی سے کار میں بیٹھا اور زن سے لے گیا۔

"ٹھیک سے چلاؤ! اکلوتی کار ہے میری.... حلال کے پیسوں کی!!" وہ پیچھے کلستی رہ گئی۔

"اونہہ!! میں نے بم چھپایا تھا اس کار میں!" گالی اس کی زبان پہ آتی آتی رہ گئی۔ کتھئی آنکھوں میں غصہ در آیا پھر اگلے ہی لمحے ہمدردی کا تاثر ابھرا۔

" جانے دے یار عریشے اس میں اس بیچارے کا کیا قصور!" اس نے خود کلامی کرتے ہوئے تاسف سے سر کو جھٹکا۔ "یہ تو اس کی ڈیوٹی ہے!" وہ ایسی ہی تھی چڑیا سا نرم دل رکھنے والی!

وہ ہلکے گلابی رنگ کے کڑھائی دار کرتے اور کھلے ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔ ہم رنگ آرگینزا کا ڈوپٹہ کندھے پہ پھیلائے جو زمین کو چھو رہا تھا سبزہ زار پہ متوازن چلتے داخلی دروازے کی جانب

www.novelsclubb.com

بڑھ گئی۔ سفید' بے داغ چہرے پہ ہلکا سا میک اپ کیے' باریک ہونٹوں پہ گلابی رنگ کی لپ اسٹک لگائے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ کتھئی آنکھیں ہمیشہ کی طرح بے پرواہ تھیں۔ لیئرز میں کٹے کھلے بال آگے دائیں کندھے پہ ڈالے تھے جن کو مصنوع بھورے رنگ سے ڈائی کیا گیا تھا اور بھورے بالوں کی کچھ لٹیں لائٹ گولڈن بھی معلوم ہوتی تھی! نچلے لب کے نیچے وسط میں نقطے کے سائز کا چمکتا نگینہ اس کے حسن میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

Lip piercing!

گلابی رنگ کا عکس اس کے ملائی جیسے چہرے پہ گلال سا بکھیر رہا تھا۔

وہ سفید پینسل ہیل میں کسی شہزادی کی طرح سبزہ زار پر سج سج کر چل رہی تھی۔

"او نہوں! شاہی دربار میں داخلے کا ذریعہ، یہاں تو کوئی سپوت نہیں کھڑا تلاشی لینے کے لیے؟؟" داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتے اس نے ادھر ادھر نظریں گھمائی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر وہ داخلی دروازے سے اندر داخل ہوئی اور وہیں رک کر ایک طائرانہ نظر اس

سارے میں دوڑائی۔اور اب اس کی تجزیہ کاری شروع ہونے والی تھی۔ہر چیز کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنے والی عریشے !

تنقید کرنا اور خود کلامی کرنا' عریشے کے پسندیدہ ترین کام تھے۔یا شاید لاشعوری طور پر یہ عریشے کی عادت تھی لیکن عریشے انسانوں کے ظاہر پہ فقرے نہیں اچھالا کرتی تھی۔

"ایک گھر نہیں پوری کالونی بن جائے گی یہاں.....اس ملک کا آدھا قرض تو اس محل کو بیچ کر ہی اتر جائے گا۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔وہ ہیل پہ آہستہ آہستہ چلتی ناگواری سے اس پُر تعش محل کا جائزہ لے رہی تھی۔

وہ اس وسیع راہداری سے ہوتی ہوئی لاؤنج تک آ رکی۔سفید ماربل، فانوس، چھت کی جدید نقش و نگاری، پر تعش سا لاؤنج، ہر کونے سے پھوٹتی خوبصورت سی مصنوعی کرنیں اور اس میں رکھے بڑے بڑے صوفے !

"اور تھوڑے سے مسئلے ان ڈیکوریشن پیسز اور قالینوں کو بیچ کر حل ہو جائیں گے۔" وہ تیوری چڑھائے اس جانب دیکھ رہی تھی جو بیش قیمت ڈیکوریشن پیسز کا پورشن تھا اور اسی دیوار پہ

ناجانے کتنی تصویریں چسپاں تھیں کسی کا بچپن' کسی کی جوانی۔"اونہہ !امیروں کے چونچلے !" وہ سر جھٹک گئی۔صد شکر کے وہاں کوئی کھڑا نہ تھا ورنہ اسے پاگل ہی گردانتا۔

اس نے نظریں گھما کر منظر بدلا۔پھر لب دبا کر نچلے لب کا نگینہ دانت تلے لے گئی۔اور جب وہ ایسا کرتی تھی اس کا مطلب صاف ہوتا تھا اس کے تنقیدی نظریات نے کوئی شیطانی نقطہ پکڑ لیا ہو!

"اوہ نہیں.....ایک بم اس محل میں پھینک دو اس ملک کے فساد ہی ختم ہو جائیں گے۔ہم صرف مسئلوں کے ساتھ ہی الجھے رہتے ہیں۔ان کو جڑ سے اکھاڑ کر نہیں پھینکتے....نا رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری!!"وہ عادت سے مجبور خود کلامی کرتے ہوئے وہی بات کہہ گئی جو اس کے ذہن میں ابھری تھی۔پھر کھل کر مسکرا دی۔اسے شاید اس محل میں رہنے والے لوگ کچھ خاص پسند نہیں تھے سوائے رمشا کے !

"نہیں عریشے...دیکھ اگر یہاں بلاسٹ ہو جائے تو یہ ساری چیزیں....اف کتنا نقصان ہو گا نا!! چیزیں برباد ہوں گی۔"اس نے تاسف سے سر کو ہلایا۔وہ پھر اگلے ہی لمحے اپنی سوچ پہ دو حرف

بھیجے۔"چلو رہی تو پھر تم وہی مڈل کلاس سوچ کی مالک...اونہہ نقصان!!ہونے دو نقصان.....بھلا میرے کونسے بچھڑے چاچا کا گھر ہے جو میں نا ہونے والے بلاسٹ کو تصور کر کے سوگ منا رہی ہوں!اونہہ!"وہ کوفت زدہ سی سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

یہ سفید محل اسے ہمیشہ سیاہ محل ہی لگا تھا۔اسے یہ محل نہیں پسند تھا۔نجانے کیوں اسے یہاں وحشت ہوتی تھی۔جدید طرز کی چھت پہ لگے مہنگے ترین فانوس اور برقی قمقمے اسے صرف مکڑی کے جالے لگتے تھے اور یہ صوفے افففف اسے کسی تابوت کے مانند لگتے۔ملازم فرعون کے زمانے کی ممی!!افف.....ان کی وہ مردہ آنکھیں!اس نے بے اختیار جھرجھری لی۔

"عریشے میم!!"وہ گیسٹ روم کی طرف بڑھنے ہی لگی کہ ایک آواز پہ رکی۔

www.novelsclubb.com

"جی؟؟"وہ ابرو اچکائے اس ملازم کو دیکھ رہی تھی۔اسے میرے نام کا کیسے پتہ؟اس کے شیطان جیسے ناچپ ہونے والے ذہن نے پھر سے سوال اچھالا۔

"بی بی سائیں کمرے میں ہیں۔آپ ادھر ہی چلیں جائیں۔"وہ اس مانوس سی آواز پہ پلٹی۔بقول عریشے کے مانوس نہیں منحوس!

"جی شکریہ!!" وہ حیران سی شکریہ کہہ کر زینوں کی جانب بڑھ گئی۔

"پچھلی بار تو یہی زیادہ بڑھ بڑھ کر کہہ رہا تھا آپ کو نہیں پتہ کہ مہمان، مہمان خانے میں بیٹھتا ہے۔یوں منہ اٹھا کر کمرے میں نہیں چلا جاتا۔اور آج دیکھو...اونہہ شاہ کے چمچے!!" پھر خود ہی زور زور سے سر نفی میں ہلانے لگی۔"نہیں نہیں عریشے لگتا ہے تم مشہور ہو گئی۔واہ واہ بس اب اگلا الیکشن میں ہی لڑوں گی۔" وہ خوش گمانی کی انتہاؤں پر تھی۔اس نے پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا اور پلٹ کر پیچھے دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔"ہیں اتنی جلدی کہاں غائب ہو گیا وہ؟" اس نے پھر جھرجھری لی اور جلدی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں پھیلانگ رہی تھی۔اسے عجیب سی گھٹن ہوتی تھی یہاں، کوئی عجیب سا احساس جیسے کوئی اس کے تعاقب میں ہے۔

"بھوت بنگلہ....یہاں ایک ہارر مووی شوٹ ہو سکتی ہے۔" وہ عادت سے مجبور پھر سے بڑبڑانے لگی۔

www.novelsclubb.com

سیڑھیوں کے دائیں اور بائیں جانب وسیع راہداریاں تھیں۔ بائیں جانب پہلا کمرہ رمشا کا تھا۔ وہ بائیں جانب مڑی اور تیز تیز چلتی نظریں جھکائے رمشا کے کمرے کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئی اور پھر ایک گہرا سانس اندر اتارا۔

رمشا گم سم سی گلاس وال کے دائیں جانب رکھے جدید طرز کے آدم قد آئینے کے سامنے کھڑی اپنے سیاہ بالوں میں برش چلا رہی تھی۔ سیاہ آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح خزاں کا موسم اترا تھا۔ جانے کیوں کوئی ایسی آنکھوں کو مسکراتی آنکھیں کہتا تھا۔

وہ نیوی بلیو اسکینی جینز skinny jeans پہ سیاہ جرسی نما شرٹ پہنے ہوئے تھی جس کا گلہ آگے سے کافی کھلا تھا۔ اچانک دروازہ کھلنے کے باعث رمشا ایک دم پلٹی۔ وہ عریشے تھی! نا جانے کب یہ لڑکی دروازہ ناک کرنا سیکھے گی اور اسے سمجھانا بھی ناممکن تھا۔ رمشا نے ہاتھ میں پکڑا برش ایک جانب رکھا۔ عریشے چہرے پہ مسکراہٹ لیے اس کی جانب بڑھی۔

"کیسی ہو؟" وہ اس کے گلے لگتے ہوئے بولی۔

www.novelsclubb.com

"ہمم.... ٹھیک!! تم کچھ جلدی نہیں آ گئی؟؟ آرام سے آتی کل پرسوں تک..." وہ بازو سینے پہ باندھے کڑی نگاہوں سے بولی۔

"حد ہے یار!! ایک تو آج کا دن ہی خراب ہے اور دوسرا لوگ زہر زبان پہ رکھ کے بولتے ہیں۔" عریشے کے چہرے کا زاویہ بگڑا' وہ جی بھر کر بیزار ہوئی۔

"زہر چکھنے کے بعد کیا کوئی زندہ رہ سکتا ہے؟" رمشا اس کے عجیب سے محاورے سے مطمئن نہ ہوئی۔ اور عریشے کا یہ روز کا معمول تھا وہ اپنے طور اردو ادب میں روز کوئی نہ کوئی اضافہ کرتی رہتی تھی۔

"اوہ ہو از خود ایجاد کیا میرا محاورہ ہے۔" وہ ناک سے مکھی اڑا گئی۔

"تو اس کی تشریح بھی خود کر دیں آپ؟" وہ ہاتھ باندھے طنز کرتے ہوئے بولی۔

"خیر!! پتہ نہیں!" وہ بات ہوا میں اڑا گئی۔ پھر کندھے اچکا کر بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کرنے لگی۔

www.novelsclubb.com

"آج تمہاری آنکھوں کا رنگ کیا ہے؟" رمشا اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکراہٹ دبائے بولی۔ عریشے مختلف رنگوں کے لینز زاستعمال کرنے کی عادی تھی۔ ہر روز ان کتھئی آنکھوں کا رنگ بدلا ہوتا تھا۔ اور ہر ملاقات پہ رمشا یہی سوال دہراتی تھی۔

"میرا رنگ' میری حکومت!" وہ ایک ادا سے بولی۔

پھر سامنے پڑے کاؤچ کی جانب بڑھ گئی۔ اس نے ایک جانب اپنا کلچ پھینکا اور پھر گرنے کے انداز میں کاؤچ پر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی آنکھیں بند کیے سر صوفے کی پشت کے ساتھ ٹکا گئی۔ رمشا بغور اس کا چہرہ دیکھے گئی۔ رمشا کو کچھ کھٹکا۔

"کیا ہوا؟؟" رمشا نے آنکھیں عریشے پہ جمائے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آہ....." اس نے ایک لمبی سرد آہ بھری۔ "کیا بتاؤں کیا ہوا۔ ایک پروڈکشن ہاؤس سے فلم کی آفر آئی تھی۔ اسی پروڈیوسر سے آج میٹ اپ تھا۔" وہ آنکھیں بند کیے تھکے تھکے انداز میں بولی۔

"کیا کہا؟؟"رمشا کو خوشگوار حیرت ہوئی۔اس کے بندھے ہاتھ پہلو میں جا گرے۔عریشے نے جھٹ سے آنکھیں کھولی۔

"وہی جو آپ نے سنا مس رمشا زمان!!ویسے تمہارے ذہن میں کیا تاثر ابھرا؟یہی نا ایک معمولی سی ماڈل کو کیسے فلم آفر ہوئی؟"وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔اس کے انداز میں ذرا سی بھی طنز کی آمیزش نہ تھی۔

"اونہوں!!ایسا نہیں ہے۔"رمشا نے ناگواری سے سر کو جھٹکا۔

"لیکن میرے ذہن میں یہی بات آئی....خیر چھوڑو!!تو دراصل میں آج ساتویں آسمان پر تھی قبل از ملاقات ودسو کالڈ پرڈیوسر اور اب پاتال میں!"وہ آنکھیں گھما کر بولی۔

"کیوں؟ایسا بھی کیا کرنے کو کہہ دیا تم سے!"رمشا نے سوالیہ انداز میں ابرو اٹھائے۔

"فلم کا جھانسہ دے کر مجھ معصوم سے ملاقات طے کروائی!پھر گئی تو پتہ چلا سائیڈ کریکٹر ہے اور جب details پتہ چلیں تو پوچھو ہی مت... آئٹم سانگ نکلا،توبہ توبہ۔"اس نے کانوں کو

ہاتھ لگایا۔"اور اس کا لباس انتہائی گھٹیا ہو گا شاید نہیں یقیناً!!"عریشے نے جھرجھری لی۔رمشا نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی۔

"تم کیوں ہنسی؟"وہ چبھتی نظروں سے دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔

"کچھ نہیں!"وہ کندھے اچکا گئی۔"بس امیجن کر رہی تھی کہ تم اس لباس میں ناچتی ہوئی کیسی لگو گی!"بات کے آخر میں اس کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"بالکل۔۔۔۔۔"عریشے کے الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے'رمشا نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی اب صرف گالی ہی نکلنی ہے۔

"بس کوئی گالی نہیں۔۔۔۔"رمشا نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کی۔عریشے نے ناگواری سے سر کو جھٹکا۔بھلا گالی دیے بغیر بھی کوئی بات مکمل ہوتی ہے۔

"اب بتاؤ کیا ہوا؟"رمشا آنکھیں عریشے پہ جمائے چند قدم آگے بڑھی اور پھر عریشے بھی آپ بیتی سنانے لگی۔

"باسٹرڈ مجھے کہتا ہے... آپ یہ کانٹریک سائن کر لیں اور جیسے کہ ہر ایکٹریس آئٹم سانگ کرنے کے بعد "ہم سے گن پوائنٹ پہ پروجیکٹ کروایا گیا" کہتیں ہیں، آپ بھی یہی کہہ سکتی ہیں، ہم برا نہیں منائیں گے! دل تو چاہا منہ توڑ دوں.... لیکن ہے پیارا تھا۔" اسے واقعتاً افسوس ہوا تھا۔ "اتنا خوش شکل افففف میرا تو دل آ گیا تھا اگر سالا منہ نہ کھولتا۔" اور رمشا' عریشے کے اس لہجے پہ سر تھام کر رہ گئی۔

"چہرہ معصوم حاجیوں والا اور کام شرابیوں والے.... جواری کہیں کا... اونہہ!! جانے لوگ ایک چہرے پہ کتنے گھٹیا چہرے چھپائے پھرتے ہیں۔ عجیب مخلوق، انسانیت کے نام پہ دھبہ، کچرے کا ڈبہ!" وہ دو چار اور القاب دینے کے بعد چپ ہوئی۔ رمشا نے اس کے چپ ہونے پہ شکر ادا کیا۔

"تم نے کیا جواب دیا؟؟ کہیں گالیوں کا انبار تو نہیں لگا آئی؟" رمشا متجسس سی اس کے پاس آ بیٹھی۔ چاہے جو بھی رمشا کہے مگر وہ عریشے کے اس لہجے سے محظوظ ہوتی تھی۔

www.novelsclubb.com

"دل تو چاہا ایسی ایسی گالیاں دوں... جس میں اس کی آپی ماما آتیں ہوں' لیکن کیا یاد کرے گا عریشے کو! بخش دی جان۔" اس نے فخر سے کالر جھٹکا۔

"اوہ یعنی اس کا صحیح وقت چل رہا تھا تو عریشے کی خوش اخلاقی سے محفوظ رہا۔" رمشا چہرے پہ مسکراہٹ سجائے طنز کے تیر چلا رہی تھی۔ عریشے نے اسے گھورا۔ اس نے اپنی ہنسی دبائی گویا تیر نشانے پہ لگا تھا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں' بہت میٹھا بولتی ہوں میں!" اس جملے کے ادا ہونے سے قبل ہی عریشے کا اپنا قہقہہ کمرے میں گونجا اور ساتھ ہی رمشا بھی اپنے چہرے پہ ہاتھ رکھ کر کھلکھلا رہی تھی۔ کچھ دیر وہ دونوں یونہی ہنستی رہیں۔ پھر رمشا نے سلسلہ کلام دوبارہ جوڑا۔

www.novelsclubb.com

"اچھا بتاؤ تم نے کیا کہا؟" عریشے کو بھی اب بریک لگی۔

"ہمم میں نے کہا.... آپ کا نام کام جو بھی ہو۔۔۔۔ لیکن میری پہچان میرا لباس ہے انڈسٹری میں۔ یہاں ہزاروں ایسی ایکٹریس ہیں جو ایسا عریاں لباس پہن کر بغیر کسی تردد کے اس کانٹریک کو کامیابی کی سیڑھی سمجھیں گیں۔ لیکن مجھے ایسی کامیابی کی ضرورت نہیں! بلانے کے لیے

آپ کا شکریہ..... پھر میں بغیر اس کی سنے نکل آئی۔" عریشے یوں بولی جیسے وہ اس کے سامنے بیٹھا ہو۔

عریشے کی آنکھوں میں اپنی عزتِ نفس کا مان تھا' پاک دامنی کا غرور تھا۔اس نے رمشا کی آنکھوں میں بھی یہی تاثر دیکھنے کے لیے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ مگر رمشا' عریشے کے اس جواب سے متاثر نہ ہوئی۔

"حالانکہ اس سے بہتر جواب دیا جا سکتا تھا!" وہ بے نیازی سے کندھے اچکا گئی۔

"میں ایک اچھی باکسر نہیں ہوں.... سو اس کا ناک یا سر پھوڑنے سے تو رہی اور جو مزہ طنز کرنے اور گالی دینے میں ہے وہ سر پھوڑنے میں کہاں؟" اف عریشے کہاں باز آنے والی تھی۔رمشا نے ناگواری سے سر کو جھٹکا۔اس کو سمجھانا رمشا کے بس سے باہر تھا۔

"اگر اس ملک میں کوئی ہٹلر پیدا ہو جائے نا.... تو جانتی ہو وہ سب سے پہلے یہاں کے پروڈکشن ہاؤس کو آگ لگائے گا اور ان میں موجود لوگوں کو جان سے مارے گا۔جانتی ہو کیوں؟؟ چھوڑو

میں بتاتی ہوں۔" وہ ہاتھ جھلا کر بولی۔ عریشے کی تجزیہ کاری شروع ہو چکی تھی اس کا پسندیدہ مشغلہ !

"لو یہ پھر شروع ہو گئی تقریر کرنے !" رمشا نظریں پھیر گئی۔ "نوجوان نسل کم از کم آج کی... ایسی فحاشی ٹیلی ویژن پہ نہیں دیکھنا چاہتی... لیکن مخصوص طبقہ پھر بھی اپنے اندر موجود گند اسکرینز پہ دکھانا چاہتا ہے۔" نامحسوس انداز میں لاشعوری طور پہ اس کا لہجہ سخت ہوا تھا۔ اس کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ تھی اور آنکھوں میں غصہ۔

رمشا غیر دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اسے کیا انڈسٹری کیسی ہے' وہاں کے لوگ کیسے ہیں۔ وہ کونسا انڈسٹری جوائن کرنے والی تھی۔ ایک خواب تھا سو ٹوٹ گیا۔ وہ لب بھینچ گئی۔

"خیر یہ تو پھر بھی قابلِ قبول ہے کہ لوکل انڈسٹری اپنا معیار گرا کر اوہ.. سوری !! معیار بڑھا کر عالمی سطح پہ پزیرائی چاہتی ہے لیکن یہ جو باقاعدہ گروہ متحرک ہیں پورن کی تشہیر کرنے میں ! اللہ کی پناہ ایسے لوگوں سے !" اس نے جھرجھری لی۔ پھر ایسے سسٹم پہ دو حرف بول کر رمشا کی

www.novelsclubb.com

جانب متوجہ ہوئی جو قالین کو گھور رہی تھی۔ پھر اسے صبح والی رمشا یاد آئی۔ ٹوٹی بکھری! اذیت میں مبتلا۔

"چھوڑو تم نے بلایا تھا اور میں اپنی باتیں لے کر بیٹھ گئی! بتاؤ سب خیریت ہے؟؟ تم صبح کافی بکھری بکھری لگی تھی مجھے۔" ایک پل میں عریشے کا لہجہ بدلا تھا۔ وہ اب سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی آنکھیں فکر مندی بھرا تاثر دے رہی تھی۔

رمشا نے نظروں کا زاویہ عریشے کی جانب موڑا۔ عریشے نے گردن ہلائی۔

"کیا میں بکھر سکتی ہوں؟" وہ عریشے کی آنکھوں میں دیکھے قدرے آہستہ آواز میں بولی۔

"پتہ نہیں!! میں انسانوں کے بارے میں اندازے نہیں لگاتی، لوگ نجومی ہی سمجھ لیتے ہیں۔" اس نے گویا لوگوں کی کم عقلی پہ ماتم کیا۔ "ویسے انسان ٹوٹے نا تو یہ فطرت کی مخالفت ہے اور فطرت اپنی مخالفت برداشت نہیں کرتی "!

"انسان ہونے کے لیے ٹوٹنا شرط ہے کیا؟" مدھم آواز میں اب کچھ کرب بھی شامل تھا۔

"نہیں! جھکنا شرط ہے۔"

"فطرت'قدرت'تقدیر...انسان کیوں محتاج ہے ان کا؟؟"اس کی آواز میں بے بسی تھی۔

"تاکہ انسان انسان رہے خدا بننے کی کوشش نہ کرے! چھوڑو تم یہ سب، بتاؤ کیا چیز پریشان کر رہی ہے۔"وہ الجھن سے رمشا کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟"رمشا نے خالی نگاہوں سے عریشے کی جانب دیکھا۔کون ہے یہ سامنے بیٹھی لڑکی؟عریشے؟ہاں اس کی دوست! مگر دوست تو غیر ہوتے ہیں۔کیا غیر بھی کبھی ہمنوا ہو سکتا ہے؟نہیں.... کبھی نہیں! کوئی خونی رشتہ کبھی اسے کوئی امید'کوئی دلاسہ نہیں دے سکا یہ تو پھر غیر تھی۔

"کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟"رمشا نے عریشے کا سوال خود سے دہرایا۔

"ہاں بتاؤ!"عریشے نے رمشا کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا'پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی امید دلائی۔

"میری زندگی!"رمشا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"مطلب؟"عریشے کی آنکھوں میں الجھن در آئی۔

"تنگ آچکی ہوں اس زندگی سے، بس کہیں دور بھاگنا چاہتی ہوں۔اس گھر سے، اس ماحول سے!" وہ قدرے اونچا بولی۔اس کے لہجے سے اندازہ لگایا جاسکتا کہ وہ کس قدر فرسٹریشن کا شکار ہے۔

"رمشا!! تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا!" وہ کچھ صدمے اور کچھ غصے سے بولی۔"آدھی دنیا تم جیسی زندگی گزارنا چاہتی ہے اور تم... کتنی ناشکری ہو!!" عریشے بے یقینی سے رمشا کی جانب دیکھ رہی تھی اور رمشا کی سوچ ایک بار پھر صحیح ثابت ہوئی... کوئی رمشا کو نہیں سمجھ سکتا! ایک غیر کبھی دوست نہیں بن سکتا اور دوست ہمنوا نہیں ہو سکتا۔

عریشے بے دھیانی میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ہٹا چکی تھی۔وہ جو لمحہ پہلے امید کی شمع روشن ہوئی تھی وہ اگلے ہی پل ان دیکھے جھونکے نے بجھا دی۔

وہ اپنے ہاتھوں کو گھور رہی تھی پھر وہ تلخی سے مسکرا کر وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بھاری قدموں کے ساتھ چل کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

www.novelsclubb.com

ایک نظر اس نے آئینے میں ابھرتے اپنے عکس کو دیکھا۔ وہاں اداس سراپا منعکس تھا۔ پھر نظریں اٹھا کر اپنی آنکھوں میں جھانکا' سیاہ آنکھیں زخمی تھیں۔ ٹوٹی امید کی ان دیکھی کرچیاں ہر جانب بکھری تھیں۔

کچھ لوگ ایک امید پہ اپنی ساری زندگی خوشحالی میں گزار دیتے ہیں اور ہم جیسے لوگ جب کوئی امید باندھتے ہیں تو قسمت تقدیر کے تمام اوراق کا رنگ ایک پل میں عیاں کر دیتی ہے اور ان کا رنگ ایک سا ہوتا ہے سیاہی مائل.... ویران.... بلکل اندھیرے کی مانند!

وہ بے دلی سے آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی اور دو قدم چل کر گلاس وال تک آئی۔ عریشے دم سادھے اس رمشا کو پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

"تم مجھے ناشکری کہہ رہی ہو... تم نے کبھی قید نہیں دیکھی نا! کچھ قید خانے بہت حسین ہوتے ہیں اور تمہیں بھی میری قید بہت دلکش نظر آتی ہو گی! ہے نا؟" اس کا چہرہ کسی بھی احساس سے عاری تھا۔ وہ کیا محسوس کر رہی تھی عریشے کے لیے اندازہ لگانا مشکل تھا۔ اب عریشے کو اپنی بے وقوفی کا اندازہ ہوا۔ وہ بولنے میں جلد بازی کر گئی اسے پہلے رمشا کی پوری بات سننی چاہیے تھی۔

رمشا نے پردوں سے بے نیاز گلاس وال کو اپنی انگلیوں سے چھوا۔ وہاں کا منظر ہمیشہ کی طرح پر کشش اور دل افروز تھا۔ آزاد پرندوں کی بے خوف پرواز' آسمان میں تیرتے بادل' بلبل کے گیت اور رقص! وہ واقعی کوئی اور ہی دنیا تھی۔

قید خانوں میں کوئی کھڑکی نہیں ہونی چاہیئے اور اگر ہو بھی تو اس کا منظر اس قدر دلکش نہیں ہونا چاہیے۔ رمشا نے بے اختیار سوچا۔

"مجھے کبھی کبھی ان پرندوں پہ رشک آتا ہے۔ ان کی بے خوف بھری اڑان سے امید ملتی ہے۔ دل چاہتا ہے ان پرندوں کی طرح آسمان کی طرف پرواز بھر جاؤں۔ پھر آسمان میں کہیں غائب ہو جاؤں کوئی ان دیکھی جادوئی دنیا میرا استقبال کرے جہاں کوئی مجھے جانتا تک نہ ہو' میں اپنی زندگی جیوں... اکیلی، تنہا، اپنی مرضی سے!!" وہ بے حد مدھم آواز میں بول رہی تھی' سرگوشی کی طرح مگر یہ سرگوشی اس اداس کمرے کی ویران دیواروں سے ٹکرا کر گونج رہی تھی۔ عریشے یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ رمشا جو کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی وہ اپنے اندر نا جانے کتنی محرومیاں چھپائے بیٹھی ہے۔

www.novelsclubb.com

اور پھر دل کہتا ہے...."وہ بات اُدھوری چھوڑ گئی۔

"کیا کہتا ہے؟"عریشے نے بے اختیار پوچھا۔

"ویلکم بیک ٹو ہیل رئیلیٹی!!رمشا کی آنکھوں میں سرخی چھلکی۔رمشا کی عریشے کی جانب پشت تھی سو وہ اس سے بے خبر رہی۔

رمشا....!"عریشے کے لب ہلے۔

"ہمارے معاشرے کا ایک بڑا عجیب المیہ ہے جس کے پاس گھر'گاڑی'شہرت ہو۔اس سے شکوے شکایت کا حق چھین لیا جاتا ہے کیوں یہ بات نہیں سمجھتے لوگ...کہ مینٹل ہیلتھ کا تعلق ان چیزوں سے نہیں ہوتا۔میرے لیے یہ سب کچھ کمفرٹس نہیں ہیں۔میرے خواب میرے کمفرٹس ہیں!وہ نہیں تو کچھ بھی نہیں.....کوئی مجھے ناشکرا کہے یا ناقدرا مجھے کوئی پرواہ نہیں! میرے لیے میرے کمفرٹس یہ آسائشیں'یہ زندگی نہیں ہے!"وہ اب قدرے جھنجلاہٹ سے بولی۔

"رمشا.....؟؟؟" عریشے نے پھر اسے پکارا۔اس نے پلٹ کر عریشے کو دیکھا پھر گلاس وال کے پردے برابر کر دیے۔

"میں اتنی خوش نصیب ہوں کہ لوگ رشک کرتے ہیں مجھ پہ، باکسنگ کی فرمائش کی تو ڈیڈ نے کلب کھلوالیا میرے نام پہ "جاؤ رمشا اپنا شوق پورا کر لو! لیکن اس سے باہر نہ نکلنا! ایک کوچ تمہیں ٹریننگ دے گا اور وہاں کوئی نہیں آسکے گا۔" وہ ہذیانی انداز میں بول رہی تھی۔وہ کہیں سے بھی رمشا زمان نہیں لگ رہی تھی۔عریشے کے لیے یہ چہرہ انجان تھا۔"اوہ رمشا تم ڈاکٹر بننا چاہتی ہو گریٹ!! برطانیہ کی یونیورسٹی میں تمہارا ایڈمیشن کروایا ہے لیکن اس بات کا دھیان رکھنا تم ڈگری پوری کر لو اپنا شوق پورا کر لو مگر کہیں جاب یا پریکٹس نہیں کر سکتی!! ہاں چاہو تو ایک ہاسپٹل تمہارے نام کا کھلوا دوں گا۔سال بھر میں ایک دو دفعہ چکر لگا لینا۔اور "!....."

"رمشا فار گاڈ سیک...!" عریشے چلائی تھی۔وہ صوفے سے اٹھ کر رمشا کی جانب بڑھی۔

"دیکھا تمہیں سن کر گھٹن ہو رہی ہے۔ارے وہ تو بات تمہیں یاد ہی ہو گی جب سمیر کی برتھ ڈے کیسے میری پرائیویٹ جیٹ پہ انٹری ہوئی۔۔۔ !

"رمشا پلیز اسٹاپ اٹ!" عریشے نے رمشا کو کندھوں سے تھاما۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ کچھ پل وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں پھر عریشے اس کا ہاتھ تھام کر کاؤچ کی جانب لے گئی۔ عریشے نے اسے کاؤچ پہ بیٹھایا اور اس کا ہاتھ تھام کر خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"کیا میں ایک نارمل زندگی ڈیزرو نہیں کرتی؟ کیا رمشا' عریشے جیسی زندگی ڈیزرو نہیں کرتی؟" عریشے کی جانب دیکھتے ہوئے وہ بھیگی آواز میں بولی۔

"اس کے لیے تمہارے ڈیڈ کو۔۔۔۔۔۔" عریشے بات مکمل نہ کر سکی پھر دکھ سے لب بھینچ گئی۔ رمشا یک ٹک اس کا چہرہ دیکھے گئی۔ عریشے کی آواز میں کرب تھا۔

www.novelsclubb.com

عریشے نے پھر کچھ کہنے کے لیے لب ہلانے چاہے مگر کچھ کہہ نہ سکی۔ یوں جیسے الفاظ ختم ہی ہو گئے ہوں۔ عریشے سمجھ نہ سکی کہ اذیتوں کو سہنا مشکل ہوتا ہے یا ان اذیتوں کو مثال میں ڈھال کر کسی کو حوصلہ دینا کٹھن ہوتا ہے! وہ فیصلہ نہ کر سکی۔

رمشا کی نگاہیں عریشے کے چہرے کے بدلتے تاثرات پہ تھیں جو بات وہ ہنسی مذاق میں کیا کرتی تھی کہ اس کا باپ نشے کا عادی تھا اور اس کی ماں پہ تشدد کیا کرتا تھا وغیرہ وغیرہ..... آج کہہ نہ سکی! رمشا کو لگا اگر وہ کچھ اور بولے گی تو رو پڑے گی۔

"اللہ نہ کرے رمشا کہ تمہیں کبھی عریشے جیسی زندگی ملے' تمہیں کیا کسی کو بھی مجھ جیسی زندگی ملے!" رمشا اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ وہ پل بھر میں بدلتے اس کے تاثرات کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر جن آنکھوں میں نمی پھیلنے والی تھی' اب ان آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔ وہ واقعی کمال کی اداکارہ تھی! وہ شدتِ غم میں بھی اپنے جذبات پہ قابو رکھنے والی لڑکی تھی!

"رمشا کسی کی بھی زندگی پرفیکٹ نہیں ہوتی۔ کسی کو خواب پورے کرنے ہوتے ہیں اور کوئی آسائشوں کے پیچھے ساری عمر بھاگتا ہے۔ جن کے پاس زندگی کا ہر کمفرٹ ہوتا ہے اسے کمفرٹس چھوڑ کر ادھورے خوابوں کی تکمیل کرنی ہوتی ہے اور جسے اختیار ہوتا ہے اپنا مقصد پانے کا' خواب پورے کرنے کا... وہ آسائشوں کی غلامی قبول کرنا چاہتا ہے! قصہ مختصر ہر کسی کو اپنی زندگی کسی دوسرے کی زندگی سے تبدیل کرنی ہوتی ہے۔" وہ کندھے اچکا گئی اور رمشا ہنوز اس

www.novelsclubb.com

کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔کچھ پل قبل اسے لگا عریشے رو پڑے گی اور اب وہ اس طرح بے نیازی سے کندھے اچکا رہی تھی جیسے اسے کسی کی پرواہ تک نہیں !

"ویسے ماڈلنگ ایسا کوئی خاص شریفانہ پیشہ نہیں' جس کے لیے تم یوں آنسو بہاؤ! تم رمشا زمان ہو.... تو رمشا زمان ہی بنو! یہ رونے دھونے والا کام تم پہ نہیں جچتا!" رمشا نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکال لیے۔عریشے کو لگا رمشا ابھی بھی ناراض ہے۔اس نے پھر سے مصالحت کی ایک نئی کوشش کے تحت رمشا کے ہاتھ تھامے۔

"اچھا بتاؤ تم ماڈلنگ کیوں جوائن کرنا چاہتی ہو؟" اور اس کا جواب خود رمشا بھی نہیں جانتی تھی۔ اس کے بہت سے خواب ٹوٹے تھے' ارمان ادھورے رہ گئے تھے مگر وہ یوں کبھی ٹوٹی نہ تھی۔

"پتہ نہیں!" وہ اداس کمرے کے ڈھکے گلاس وال کو دیکھنے لگی۔وہ کیوں ہمیشہ اس خوبصورت منظر اور اپنے درمیان پردے حائل کر دیتی ہے !

"دیکھو ہر کام کرنے کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی' کچھ بھی بے نہیں ہوتا۔" رمشا نے سر ہلایا۔

www.novelsclubb.com

"اب مجھے ہی دیکھ لو میرا اس فیلڈ میں آنے کا مقصد میری ماں اور ان کی بیماری کا علاج تھا۔ سو میں نے اس پیشے کا انتخاب کیا جہاں کسی ہنر کی ضرورت نہیں' نہ کوئی تعلیم....اور کوئی آپ کا ہسب نسب بھی نہیں پوچھتا!" وہ نارمل لہجے میں بولی۔ وہ اپنی محرومیوں کو شاید ایڈونچر سمجھا کرتی تھی۔

"موضوع بدل لو!" رمشا بے دلی سے کاؤچ سے اٹھ گئی۔

"جیسا میری دوست چاہے!" وہ مسکرا کر بولی' رمشا بھی اداسی سے مسکرا گئی۔ اسے کمرے میں کچھ گھٹن کا احساس ہوا۔ وہ پھر سے گلاس وال سے پردے ہٹانے کی غرض سے آگے بڑھنے ہی لگی تھی کہ عریشے کے الفاظ نے اس کے قدموں کو جکڑا۔

www.novelsclubb.com

تم مجتبیٰ سے ملی؟ کوئی بات ہوئی۔" اس نام پہ اس کے قدم زنجیر ہوئے۔

"وہ شاید آج کل کسی گانے میں ماڈل کی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ کیا تمہیں اس نے بتایا؟" رمشا نے نفی میں سر ہلایا۔

"اوہ مجھے لگا تمہیں بتایا ہو گا کیونکہ میں تو ان دنوں مصروف تھی۔ تم دونوں کی تو ملاقات ہوئی تھی کچھ دنوں پہلے؟" رمشا نے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔ وہ مزید اس کی شوٹنگ کے بارے میں جاننا چاہتی تھی لیکن یہ تو طے تھا کہ وہ عریشے سے نہیں پوچھے گی۔ ہاں کل وہ خود مل کر پوچھ لے گی۔

"چلو باہر چلتے ہیں۔" اور وہ مجتبیٰ کے ذکر پہ اکثر بات بدل دیا کرتی تھی۔ کیوں؟ وہ اس سوال کا جواب تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"اوکے!" عریشے جھٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے رمشا کو سر سے لے کر پیر تک گھورا۔ پھر لبوں پہ شیطانی مسکراہٹ امڈ آئی۔

www.novelsclubb.com

"تم ان کپڑوں میں جاؤ گی؟" وہ ابرو اچکائے بولی۔ اس کا اشارہ جینز اور شرٹ کی جانب تھا۔ رمشا نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور پھر اپنے آؤٹ فٹ کو۔

"کیوں ان کپڑوں میں کوئی مسئلہ ہے؟" وہ ششدر سی کھڑی عریشے کے جواب کی منتظر تھی۔

"نہیں.... مجھے لگا تم چینج کرو گی؟" وہ مسکراہٹ دبائے مصنوعی سنجیدگی سے بولی۔ رمشا کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"تم اُس کاسٹیوم کی وجہ سے میرا مذاق بنا رہی ہو؟" وہ ابرو اچکائے اسے گھور رہی تھی۔ اسے لگا عریشے اسے شلوار قمیض (جسے وہ کاسٹیوم کہتی تھی) کی وجہ سے طنز کر رہی ہے۔ رمشا کو کراہت محسوس ہوتی تھی جب لوگ اسے کپڑوں کی بنا پہ جج کرتے تھے۔

"توبہ کرو بی بی! میں اور مذاق.... وہ بھی رمشا زمان کا! نانا!" اس نے کانوں کو ہاتھ لگا کر سر زور زور سے دائیں بائیں ہلایا۔ رمشا ہنوز کڑی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں تو بس تمہیں آج رات کی ہیڈ لائنز کے متعلق آگاہ کر رہی تھی!" اور عریشے کسی حد تک ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔

"رمشا زمان مبینہ لڑکی کے ساتھ ایک نجی کلب میں دیکھی گئی۔ آگے کی تفصیل کچھ دیر کے بعد!" وہ ایک ماہر نیوز اینکر کی طرح بول رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

"آئی ڈونٹ بلیو وہ مبینہ لڑکی میں ہوں گی اور کافی شاپ کو کلب کہا جائے گا۔" اس کا قہقہہ بلند ہوا اور پھر وہ ہنستی ہی چلی گئی۔ اس اداس کمرے میں فقط اس کے ہنسنے سے بہار اتر آئی تھی۔

رمشا ویران آنکھوں سے اس کا مسکراتا چہرہ دیکھے گی۔ وہ ہنستی ہوئی واقعی بہت حسین لگتی تھی۔ اگرچہ رمشا کے اسٹیٹس' اسٹائل کے آگے عریشے کچھ نہ تھی۔ رمشا تو سلطنت کی شہزادی تھی مگر جب عریشے مسکراتی تھی تو وہ رمشا کو ایک پر سکون روح لگتی تھی۔ وہ دل کھول کر ہنس رہی تھی۔ نچلے لب کا نگینہ بھی اس کی ہنسی سے جگمگا رہا تھا۔ وہ کچھ پل اسے دیکھتی رہی۔

"اگر تمہاری یہ تھرڈ کلاس نیوز کاسٹنگ ختم ہو گئی ہو تو چلیں؟" وہ سنجیدگی سے کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

www.novelsclubb.com

"چلو میں باقی کی ہیڈ لائنز گاڑی میں پڑھ لوں گی۔" وہ بھی ہنستی ہوئی رمشا کے پیچھے لپکی۔

وہ دونوں اس اداس کمرے سے جا چکی تھیں۔

اس کمرے میں جھانکو تو اداسی ہر سو پھیلی۔ جانے اس کمرے کی ویرانی تھی جس نے رمشا کے اندر فقط اداسی بھر دی تھی یا یہ رمشا کی اداسی تھی جو اس کمرے کے در و دیوار پہ چھائی ہوئی تھی۔

وہ جسے دوپہر بارہ بجے اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچنا تھا مسلسل دو بار گاڑی خراب ہونے کے باعث پانچ بجے پہنچی۔اگر کوئی اور جگہ ہوتی تو اس کے انتظار میں لوگ بیٹھے رہتے۔مگر یہ سکول تھا جہاں اساتذہ اور بچوں کو بہت دیر روکا نہیں جا سکتا تھا۔

اس کی گاڑی ٹھیک پانچ بجے ایک خستہ حال سکول کے باہر رکی۔وہ سپاٹ اور بے تاثر چہرہ لیے گاڑی کے کھلے دروازے سے باہر نکل گئی۔اس کے ارد گرد گارڈز جمع ہو گے۔لیکن کچھ فاصلے پہ ایک درخت کے پیچھے چھپے کوئی اس کے ہر عمل کو ریکارڈ کر رہا تھا۔وہ آچکی تھی اور وہ طنزیہ مسکراہٹ لبوں پہ سجائے فقط شام کا منظر اور پلوشہ زمان کو ریکارڈ کر رہا تھا۔

"پرنسپل؟" وہ سامنے سکول کی جانب دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں بولی۔سامنے کھڑا گارڈ مستعدی سے اس کی جانب بڑھا پھر شائستگی سے بولا۔

www.novelsclubb.com

"جی میم! سکول میں ہی موجود ہیں۔"اس نے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور سکول کی عمارت کے اندر داخل ہو گئی۔

یہ ایک سرکاری سکول تھا جو وسیع رقبے پر پھیلا تھا۔اور اس علاقے کا واحد سرکاری سکول تھا۔ اس کی تعمیر کے بعد کوئی سکول نہ بن سکا۔وجہ صرف یہ کہ یہاں کی تعداد بہت کم تھی۔مطلب صاف اور سیدھا تھا اس علاقے میں کوئی اپنے بچوں کو تعلیم نہیں دلوانا چاہتا تھا بالخصوص لڑکیوں کو !!

اس کے استقبال میں پرنسپل صاحبہ اور مزید دو ایک افراد وہاں موجود تھے۔ شاید پلوشہ کی آمد کی اطلاع ان تک پہنچ چکی تھی۔پرنسپل صاحبہ کے چہرے پہ خلافِ توقع کوئی تناؤ نہ تھا مگر ساتھ کھڑے افراد کے ماتھے پہ شکنیں واضح تھیں۔

"سلام پلوشہ صاحبہ!! کیسی ہیں آپ؟"پلوشہ نے سر کو اثبات میں ہلایا اور ہلکا سا مسکرائی۔پھر آگے بڑھ کر پرنسپل سے ہاتھ ملایا۔

www.novelsclubb.com

"آپ اپنے سارے مسائل اور ضروریات سے اشرف صاحب کو آگاہ کر دیں۔"(پلوشہ نے وہاں کے ایم این اے کا نام لیا)۔وہ نرمی سے مسکرا کر بولی۔

"میں ہر ممکن کوشش کروں گی اس نظام کو بہتر بنانے میں۔ "

"اونہہ پچھلے چھ گھنٹے سے ہم اس کے استقبال میں یہاں کھڑے ہیں اور بات کرتی ہے نظام بہتر کرنے کی!۔پہلے خود کو تو بدل لے!"مسکراتی پرنسپل صاحبہ بس پلوشہ کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"آئیں پلوشہ!"پرنسپل صاحبہ نے ہاتھ سے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

پلوشہ آگے بڑھ گئی۔پرنسپل صاحبہ اور باقی افراد بھی اس کے پیچھے ہو لیے۔دو گارڈ بھی رمشا کے پیچھے اس کی حفاظت کے لیے موجود تھے۔وہ بھی اسی کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

وہ راہداری سے ہوتی ہوئی مختلف بلاکس سے گزر کر پرنسپل آفس میں داخل ہوئی۔یہ آفس سکول کے باقی حصے کے برعکس جدید طرز سے سجایا گیا تھا۔یہ اسی نظام کی عکاسی کرتا تھا جو یہاں روزِ اول سے رائج ہے۔حاکموں کے گھر وزیروں سے اونچے اور پرتعش،وزیروں کا رہن سہن مشیروں سے بہتر اور ہوتے ہوتے عوام کا حال فقیروں سا!!

آفس میں جدید طرز کے صوفے تھے۔پرنسپل نے اسے بیٹھنے کا کہا۔وہ بس سر ہلا کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے لگی۔

"آپ سب سے پہلے سکول کی مرمت کا کام کروائیں گی!"وہ یک دم سنجیدگی سے بولی۔ آنکھیں بے تاثر تھیں۔"پھر غیر نصابی سرگرمیوں پر توجہ دیں آپ...تاکہ یہاں کی تعداد بہتر ہو سکے!"وہ سوچ سوچ کر ایک ایک لفظ ادا کر رہی تھی۔

پرنسپل صاحبہ بہت توجہ سے اس کی ہر بات سن رہیں تھیں۔ایک دو اور پوائنٹ نوٹ کرنے کے بعد وہ اس آفس سے نکل کر سکول کی بلڈنگ کی جانب متوجہ ہوئی۔

وہ یہاں سکول کا وزٹ کرنے آئی تھی۔ایک سرسری سی نگاہ وہ گاہے بگاہے ڈالتے سیدھی چلتی گئی۔اس کے چہرے پہ اب سنجیدگی طاری تھی۔

اس کے بعد اسے ایک کلاس میں لایا گیا۔جہاں دو چھوٹی بچیاں سکول کے یونیفارم میں ملبوس ایک ڈیسک پہ بیٹھیں تھیں۔وہ چھوٹی لڑکیاں ان کو دیکھ کر فوراً کھڑی ہو گئیں۔پلوشہ ہولے

سے مسکرائی۔ پھر ان بچیوں کے ساتھ پلوشہ نے چند تصویریں بنوائیں۔ جو اس کے آفیشل اکاؤنٹ سے آج رات پوسٹ ہونی تھی۔ باہر شام قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی۔

وہ کچھ ہی دیر بعد دوبارہ اپنی گاڑی کے سامنے کھڑی تھی۔ کوئی اس کی ہر حرکت پہ نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس کے گارڈ الرٹ سے اس کے ارد گرد جمع تھے۔ اس کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ وہ خوش نہیں تھی۔ آخری کام اسکا بے ڈھنگ سا گزرا تھا۔ مگر وہ مطمئن تھی کہ اس کے ذمے آئے کام مکمل ہو چکے تھے۔ وہ لوگوں کی توجہ حاصل کر چکی تھی اور ان دنوں اس دورے کے دوران میڈیا بھی اسے اچھی خاصی کوریج دے رہا تھا۔ یعنی وہ توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی اور الیکشنز سے پہلے ہی وہ "زمان جعفر کی بڑی بیٹی" سے "پلوشہ زمان" کے نام سے پہچانی جا چکی تھی۔

www.novelsclubb.com

وہ گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ پل بھر کی دیر تھی لمحے بھر میں ان گاڑیوں کے اسٹارٹ ہونے کی آواز خاموش فضا میں گونجی اور اگلے ہی پل وہ دھول اڑاتی گاڑیاں نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

"بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی!" کوئی درخت کی اوٹ سے باہر نکلا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ موبائل ہنوز اس کے ہاتھ میں تھا۔

"میری پہلی رپورٹنگ!" وہ فخر سے مسکرایا تھا اور کون جانتا تھا اس کی یہ پہلی تہلکہ خیز رپورٹنگ آخری ثابت ہونے والی تھی۔

اس نے دو چھوٹی بچیوں کو سکول سے باہر نکلتے دیکھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اسی جانب آ رہی تھیں۔ حیرت سے اس شخص کے ابرو سکڑے۔

جب وہ اس کے پاس سے گزرنے لگیں تو یہ شخص ان دونوں بچیوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"بچوں بات سنو؟" بچیوں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"اس وقت کونسا سکول کھلا ہوتا ہے!" موبائل ہنوز اس کے ہاتھ میں تھا۔ ویڈیو ریکارڈنگ آن تھی۔

"وہ سڑک والا!" یہاں کے لوگ اس سکول کو سڑک والا سکول کہتے تھے۔ یہ اس علاقے کی واحد پکی سڑک تھی مگر صرف نام کی پکی سڑک!

"اچھا تو کس کلاس میں ہو؟" وہ ایک رپورٹر کی طرح ٹھہر ٹھہر کر سوال پوچھ رہا تھا۔ شاید وہ یہ حصہ بھی اپنی پہلی رپورٹ میں شامل کرنے والا تھا۔

"پتہ نہیں، اماں سے پوچھ کر بتاتی ہوں!" ان میں سے ایک لڑکی بولی۔

"لیکن ابھی تو تم سکول سے نکلی۔" اسے واقعتاً حیرت ہوئی تھی۔

"نہیں ہم سکول نہیں جاتیں' بس آج ہی گئیں ہیں۔ ان لوگوں نے بلایا تھا۔ ایسے ہی..." وہ مقامی زبان میں بول رہیں تھیں۔ وہ شخص ہونق بنا ان دونوں کا منہ دیکھ رہا تھا۔ اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا اور مزید جھٹکے لگنے ابھی باقی تھے۔ معاملہ اس کی سوچ سے زیادہ گھمبیر تھا۔

"ایسے ہی کیوں بلایا تھا؟ کچھ تو پڑھا ہو گا تم لوگوں نے!"

"نہیں بس تصویریں بنائی تھی وہ جو ٹی وی میں آتی ہیں ان کے ساتھ!" وہ دونوں ایک ساتھ پرجوش ہو کر بولیں۔

"سکول کیوں نہیں جاتے تم لوگ یہ تو قریب ہے؟" اس نے اپنا اگلا سوال کیا۔

"لوگ کہتے ہیں وہاں کے ماسٹر صاحب اچھے نہیں اور ماسٹرانی بس آج آئیں ہیں!" یعنی پورا نظام ہی خراب تھا۔اس کا سر چکرایا تھا۔

"کیوں؟" اسے ان کی باتیں کچھ خاص سمجھ نہ آئی تھیں۔

"ہماری ہمسائی گئی تھی بس ایک دن! پھر....." دوسری نے جلدی سے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔"پاگل اماں نے کہا تھا کسی کو نہیں بتانا "!

ماسٹر صاحب کیوں نہیں اچھے؟ کیا پڑھاتے نہیں؟" اس کی آنکھوں میں الجھن در آئی۔

"پڑھاتے تو ہیں! لیکن بس وہ کہتی ہے وہ اچھے نہیں!" وہ پھر بولی اور اس کے ساتھ ہی دوسری نے پہلی والی کا ہاتھ تھاما اور وہ دونوں بھاگ گئیں۔

اور وہ اچھے نہیں کا مطلب بہت اچھے سے سمجھ چکا تھا۔اس نے جبڑے سختی سے بھینچ لیے۔

ہم ظاہر میں اس قدر غرق ہو چکے ہیں کہ ادارے تعمیر کرنے میں دن رات ایک کر دیں گے اور اس نظام کی تعمیر میں جس کے تحت ادارے چلتے ہیں وہ کبھی تشکیل ہی نہیں دے پاتے !

www.novelsclubb.com

کیونکہ مادیت کے ڈھانچے بنانے کے لیے جسمانی محنت درکار ہوتی ہے اور اس کو منظم طور پر چلانے کے لیے ایک تجربہ کار دماغ!

اور تجربہ کار دماغ ہر گز ان عہدیداروں کے پاس نہیں ہوتا جن کو عہدہ وراثت میں ملے۔

وہ شخص کھڑا سامنے خستہ حال سکول کو دیکھ رہا تھا۔ بچپن کی محرومیوں میں تعلیم کی عدم دستیابی نہیں ہونی چاہیے ورنہ لڑکپن گلیوں میں 'جوانی ڈپریشن میں اور بڑھاپہ ٹھوکروں میں گزرتا ہے۔اس کی آنکھوں میں سرخی چھلکی۔کچھ پل وہ یونہی کھڑا رہا۔پھر سر جھکا کر خالی سڑک پہ پیدل چلنے لگا۔

خوشگوار دن کی ڈھلتی شام اس شخص کے دل کو ویران کر گئی۔

یہ ہاتھ میرے اٹھتے دعا کے لیے ہے

جانے کیوں اٹھتے وقت ساری دعا رہ جاتی ہے

میری دعا کب گفتگو میں ڈھل جاتی ہے

تجھ سے گفتگو میرے مسائل حل کر جاتی ہے

سنہری دھوپ تپش لیے لکڑی اٹھنیوں اور چھالوں سے بنے گھوپے کی چھت کے چھیدوں سے ہو کر اس نفس پہ پڑ رہی تھی جو ایک سفید کپڑا بچھائے بیٹھا تھا۔ خود پہ گرتی تپش اسے گراں نہ گزرتی تھی شاید وہ اس کا عادی تھا۔

وہ قبلہ رخ بیٹھا ہاتھ دعا کے لیے بلند کیے ہوئے تھا۔ غالباً وہ نماز پڑھ چکا تھا۔ گندمی چہرہ نورانی اور پُر سکون تھا۔ صحرائی آنکھیں بند تھیں اور وہ مدھم پر سوز انداز میں اپنے دل کا حال بیان کر رہا تھا۔

"قاری صاحب کہتے ہیں نماز میں اپنے خدا کو تصور کرو، ایسا تصور کرو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ پھر میں جب ایسا سوچتا ہوں تو مجھے کوئی دکھائی نہیں دیتا، مجھے میرا خدا نظر نہیں آتا بس یوں

معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف سفیدی ہی سفیدی ہے مگر خدا نہیں ملتا مجھے!" معصوم لہجے میں اداسی گھلی تھی۔

"کیا کسی نے خدا کو دیکھا ہو گا لیکن کوئی خدا کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ میں کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ ماں کہتی ہے صرف ایک کامل ترین ہستی نے دیکھا ہے اسے!" یہاں وہ مسکرایا تھا۔ عقیدت کے سارے رنگ اس کے چہرے پہ اتر آئے تھے۔ اداس ماحول میں یک دم ہی قوسِ قزح کے رنگ بکھر گئے تھے۔ وہ کچھ پل یونہی مسکراتا رہا۔

" یہ صحرا جو اتنا بڑا ہے جو میں ایک وقت میں سارا نہیں دیکھ سکتا تو پھر کیسے میں اس کے بنانے والے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں گا۔" وہ اپنی سوچ کے مطابق مثال سے خود کو سمجھا رہا تھا۔ وہ صحرا میں بسنے والا فقط صحراؤں کو جانتا تھا سو وہ اسی مثال سے خود کو مطمئن کر رہا تھا۔

"قاری صاحب بھی پتہ نہیں کیا کیا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی جو میں ہر بار بھول جاتا ہوں۔ آپ نا۔۔۔" وہ لمحہ بھر کو رکا۔

www.novelsclubb.com

"مراد کو جلدی سے ٹھیک کر دیں چاہے تو آپ مجھے بیمار کر دیں۔ میں ہر بار آپ سے بڑی بڑی عمارتوں والے شہر جانے کا کہتا ہوں اور وہاں پڑھنے کا کہتا ہوں لیکن وہ میں آپ سے بعد میں مانگ لوں گا۔ پہلے آپ مراد کو ٹھیک کر دیں۔" اس کے لہجے میں منت تھی۔ وہ ایک بات جس کا آغاز اس نے بڑے پیار بھرے لہجے میں کیا تھا۔ اسی کا اختتام وہ منت سماجت سے کر رہا تھا۔ کیسا تعلق ہے خدا اور بندے کا! لمحے بھر کی امید ملے تو لگتا ہے کہ کائنات ہماری ہے اور جب بے بسی کا اندازہ ہو تو لگتا ہے ہماری ذات اس کائنات کا ایک زرہ بھی نہیں پا سکتی۔ اس کی بات بھی امید پہ شروع ہو کر بے بسی پہ ختم ہو چکی تھی۔

"مجھے اس کے ساتھ کھیلنا ہے اور....." وہ میٹھا لہجہ بے بس سرگوشی میں ڈھل چکا تھا۔ اس کے الفاظ اب منہ میں ہی دم توڑ کر رہے تھے۔ مستحکم آواز اب دل کی فریاد بن چکی تھی۔

"اور پتہ نہیں لیکن آپ اس کو ٹھیک کر دیں..... میں نہیں بیمار ہوتا آپ چاہے مجھے اس کا بخار دے دیں۔" اس کا دل بہت بری طرح سے دھڑکا۔ وہ جھٹ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔

www.novelsclubb.com

وہ ننگے پیر باہر بھاگا تھا۔ یہاں کے لوگوں نے اپنی اپنی جھونپڑی کے باہر مٹی سے لیپے آگ دان بنائے تھے جہاں وہ اکثر کھانا بناتے تھے۔ اس کی ماں بھی مٹی سے بنے برتن میں چمچہ چلا رہی تھی۔

"آدم کہاں جا رہا ہے تُو؟" آدم کو بھاگتا دیکھ اس کی ماں پکاری۔ وہ اسی لمحے اس آواز پہ ٹھہر گیا۔ اور ماں کی جانب گھوما۔

"ماں تم کہتی ہو میں بہت بولتا ہوں؟ ہے نا؟" وہ یک دم سنجیدگی سے بولا۔

اس کی ماں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور بہت سوال بھی کرتا ہوں؟" وہ پھر اسی انداز میں بولا۔

"ہاں!" ماں نے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ گویا وہ آدم کے ان سوالوں کا مقصد سمجھیں نہ ہو۔

"پھر خدا کے سامنے میرے الفاظ کیوں ختم ہو جاتے ہیں؟ کیوں میرے سوال اس کے سامنے ریت کے ذروں کی طرح بکھر جاتے ہیں؟" وہ ٹھہر ٹھہر کر بے بسی سے بولا۔ آدم نے اتنے گہرے الفاظ اپنی زندگی میں پہلی بار استعمال کیے تھے۔

آدم کی ماں یک ٹک اس کا چہرہ دیکھی گئیں۔اس نے کچھ پل اپنے سوال کے جواب کا انتظار کیا۔ پھر "میں مراد کے پاس جارہا ہوں!" کہہ کر باہر بھاگ گیا۔پیچھے ماں کچی زمین کو گھورتی رہ گئی۔ اس کی ماں ان سوالوں پہ حیران نہ تھی بلکہ اس کے بڑھتے سوالوں کے بارے میں پریشان تھی۔ اگر کل کو آدم اپنے خاندان کے بارے میں سوال کرے یا اپنے باپ کے بارے میں پوچھے تو وہ کیا جواب دے گی۔ہاں اس کا باپ تو مر گیا۔

ہاں بس وہ یہی کہے گی جو سب سے کہتی آئی ہے۔

---

www.novelsclubb.com

منظر اسٹڈی روم کا،

رجب عباس کا اسٹڈی روم !!

وقت نو بجنے میں چند منٹ کی تاخیر !!

وہ کتابوں کی ریک سے تھوڑے فاصلے پہ میز اور کرسی سیٹ کیے ہوئے تھا۔کھلا لیپ ٹاپ بھی وہیں ٹیبل پہ پڑا تھا۔ٹیبل کے سامنے موبائل اسٹینڈ پہ موبائل سیٹ کیا گیا تھا جو کرسی کی سیدھ میں تھا۔

وہ آنکھوں میں سنجیدہ سا تاثر لیے ہاتھ میں پکڑی کتاب کے صفحے تیزی سے الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ مطلوبہ معلومات نہ پا کر کتاب اسی جگہ رکھ دی اور دوسری شیلف کی جانب بڑھ گیا۔وہ آنکھیں سکیڑے سامنے کتابوں سے بھری ریک کو دیکھے گیا۔اوپر پہلی قطار میں رکھی ایک کتاب پہ اس کی نظر ٹھہر سی گئی جس کا نام سنہری جگمگاتے حروف سے عیان تھا۔پھر اسی قطار میں رکھی تمام کتابوں پہ ایک نگاہ ڈالی۔اس نے مسکرا کر سر کو ہلکی سی جنبش دی پھر ہاتھ پہ بندھی گھڑی کو دیکھا جو ایک منٹ کم نو بجنے کی خبر دے رہی تھی۔

وہ کتابوں کی ریکس کے سامنے سے ہٹ گیا۔کیمرہ اسٹینڈ پہ سیٹ موبائل کی اسکرین کو ایک دو بار ٹچ کیا اور پھر خالی کرسی پہ ذرا کو آگے ہو کر بیٹھ گیا۔

www.novelsclubb.com

ایک چینل جسے یوٹیوب پر کافی پزیرائی حاصل تھی اور ایک وجیہہ شخص جسے سب رجب عباس کے نام سے جانتے تھے۔

وہ یوٹیوب پر لائیو تھا۔اس کے مداح ٹیلی ویژن اور موبائل کی اسکرینوں کو پورے انہماک سے دیکھ رہے تھے جہاں کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا تھا اور وہ پورے اعتماد سے اپنی نشست پہ براجمان تھا۔

جلتی بجھتی اسکرین پہ گول گول گھومتے دائرے میں مختلف رنگوں کے ہندسے حرکت میں تھے۔اب بدلتی اسکرین پہ گھڑی ابھری جس کی چھوٹی سوئی ٹک ٹک کی آواز سے ایک مدار میں گھوم رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

پانچ

چار

تین

دو

ایک

وقت رات کے نو بجے !!

اسکرین پہ گھڑی کی چلتی سوئیاں تھم گئی۔ پھر ایک ساز سا بجنے لگا۔اسی ساز کے درمیان ایک گھمبیر آواز میں روح کو جھنجھوڑ دینے والا ترانہ بجنا شروع ہوا۔

"اس چمن کے پھولوں پر رنگ و آب تم سے ہے "!

"اس زمیں کا ہر ذرہ آفتاب تم سے ہے "!

رنگ بدلتی اسکرینوں پہ اب رجب عباس نمودار ہوا۔وہ سفید ڈریس شرٹ پہ سیاہ کوٹ اور ٹائی پہنے ہوئے نظریں لیپ ٹاپ پہ مرکوز کیے ہوئے تھا۔بال سلیقے سے پیچھے کو سیٹ تھے۔ اسی پل رجب نے جھکی نظروں کا رخ موبائل کی جانب کیا۔اور اب اسکرین پہ وہی نظر آرہا تھا۔ خوبصورت تیکھے نقوش'سنجیدہ آنکھیں'پرکشش مسکراہٹ'چہرے پہ نرم سا تاثر'رجب عباس کم عمر مگر قابل ترین تجزیہ کار'سینئر صحافی اور تنقید نگار!

ہر نظریے 'ہر نئی سوچ 'رائے سے اختلاف رکھنے والا وہ نظریاتی شخص رجب عباس۔۔۔۔
کریٹیکل تھنکر! رجب کے الفاظ اس کی پہچان تھے 'حق گوئی اس کی ذات کا خاصہ تھی۔

"السلام علیکم ناظرین!!" دلکش انداز اور پر کشش شخصیت لیے وہ ستائیس سالہ وجیہہ شخص پورے اعتماد سے کھلے لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔

"میں ہوں آپ سب کا ہوسٹ رجب عباس، امید ہے آپ سب صحت اور ایمان کے بہترین حال میں خیر و عافیت سے ہوں گے۔" وہ چہرے پہ ازلی مسکراہٹ سجائے نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"اور جیسا کہ ہر نشست کے آغاز میں میں آپ سے کہتا ہوں کہ "شاید یہ میری آخری نشست ہو، زندگی کا کیا بھروسہ اور موت تو تحفہ ہے مومن کا اپنے رب کی طرف سے!" اس کی آنکھوں میں ایک پر کشش سا احساس ابھرا اور ایک دلکش سی مسکراہٹ!!

"زندگی چند پل کی ہے اور اگلی زندگی دائمی ہمیشہ ہمیش کی، تو کیوں نا!! حق کے راستے پہ چلا جائے اور سچ کا ساتھ دیا جائے۔" وہ سامنے موبائل پہ نظریں جمائے نرمی سے بول رہا تھا۔

"میں رجب عباس اپنے اس پروگرام سیاست اور صحافت میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔" اس نے سر کو خم دیا اور نظریں جھکا دیں۔ چہرے پہ بکھری مسکراہٹ بھی کسی حد تک سمٹ گئی۔

"خوش آمدید اے میرے لاوارث وطن کے لوگو!" اب اس کی نظریں اٹھیں تو آنکھوں میں مایوسی تھی، کرب تھا، ایک دکھ بھرا تاثر۔

"خدا ہم پہ رحم کرے اور اپنے نیک بندوں میں سے ہمارے لیے حکمران چنے!" وہ ٹھہر ٹھہر کر نرم لہجے میں ایک ایک لفظ ادا کر رہا تھا۔ ہر لفظ کرب' دکھ اور مایوسی کی روداد سنا رہا تھا۔

"میں اپنے پروگرام میں ہر بار ایک نیا مقدمہ اپنی آواز میں اٹھاتا ہوں۔ اور ایک سال تک یہی کر رہا ہوں لیکن کیا کبھی کسی کو اس کا فائدہ پہنچا؟" اس نے لب بھینچے پھر سر نفی میں ہلایا۔ "پتہ نہیں میں نہیں جانتا!! لیکن یہ ضرور دعویٰ کر سکتا ہوں کہ اس سے لوگوں کو آگاہی ضرور ملی ہے۔ مگر پھر میرا مجھ سے یہی سوال ہوتا ہے کیا ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا ہی کافی ہے؟ کیا عوام کو

درپیش مسائل کی نشاندہی کرنا ہی ہمارا مقصد ہے؟"اس کے ابرو سوالیہ انداز میں سکڑے۔پھر اس نے ٹیبل پہ دھرے ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملائیں۔اور سر دائیں بائیں ہلانے لگا۔

"نہیں!!عوام اپنے ہر مسئلے میں ہم سے زیادہ شعور رکھتی ہے۔اور ہمیں مسئلوں کا حل چاہیے اس پہ لمبی لمبی تقریریں یا تجزیے نہیں چاہیے۔" گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس کے لہجے کی نرمی ختم ہو رہی تھی۔اور رجب کے الفاظ اس کے لہجے سے بھی تیز اور کرخت!

"ہمارے ملک میں چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے مسئلے کا حل یا تو اس پہ کتاب لکھ کر یا اس پہ ڈرامہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔جس کا نتیجہ فقط وقت کا ضیاع ہے کم از کم میرے نزدیک!"وہ اس سے بھی سخت الفاظ کہنا چاہتا تھا مگر رک گیا۔"اور اس سب کے بعد زیادہ سے زیادہ قومی اسمبلی میں مذمتی تقریر ہو جائے گی!پھر اس مذمتی تقریر کے بعد ایک مذمتی قرارداد پیش کی جائے گی جو چند لوگوں کے دستخط کے بعد اسی ردی کے ٹوکرے میں پھینک دی جائے گی جو پہلے ہی اسی قسم کی ہزاروں قراردادوں سے بھرا ہو گا۔" وہ تنے نقوش کے ساتھ تیکھے لہجے میں سچائی بیان کر رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"ہم ایک نظام کے تحت اس ملک میں زندگی گزار رہے ہیں اور ایک نظام جمہوریت جس کا ڈھنڈھورا ہر سیاست دان پیٹتا ہے، اس کے تحت اپنے حکمران چنتے ہیں جو ہمارے مسئلے حل کریں۔ جو ریاست کو خدا کی امانت سمجھیں نا کہ اپنے باپ کی جاگیر! حکومت میں آکر عوام کے جان، مال اور عزت کی حفاظت کریں مگر میں آج آپ کو بتانا چاہتا ہوں ان سیاست دانوں کی سچائی اور ان کی انتھک محنت وہ بھی رات کے اندھیروں میں۔" وہ استہزائیہ مسکرایا۔ اس مسکراہٹ کے باوجود اس کی آنکھوں کا کرب دیکھنے والوں سے نہ چھپ سکا۔ وہ آنکھیں دوسروں کا درد محسوس کرنے والی آنکھیں تھیں۔ وہ رجب عباس کی آنکھیں تھیں۔

"کچھ ہی پل میں ایک ویڈیو آپ کی اسکرینوں پہ چلے گی اور آگے کا پروگرام اس ویڈیو کے بعد....." یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا اور سامنے پڑے لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہوا۔ مصنوعی مسکراہٹ وجیہہ چہرے سے غائب ہو چکی تھی۔

سب دم سادھے اپنی جگہوں پہ بیٹھے اپنی اپنی اسکرین پہ نظریں جمائے ہوئے تھے۔ اس وقت رجب عباس کے چینل کی ویورشپ کسی بھی ٹی وی چینل کی ٹی آر پی سے کہیں زیادہ تھی۔ زیادہ

www.novelsclubb.com

تر چینلز اس وقت کوئی خاص پروگرام آن ائیر نہیں کرتے تھے کیونکہ اس وقت کی ratings نہ ہونے کے برابر تھی۔ تمام نیوز چینلز کا content رجب عباس کی ہر نئی ویڈیو پہ تجزیہ کرنا ہوتا تھا۔

وہ شخص رجب عباس اپنے سامنے پڑے لیپ ٹاپ پہ انگلیاں چلا رہا تھا۔ وہ ابرو سکیڑے لیپ ٹاپ پہ جھکا تھا۔

اسکرین کا منظر اب بدل چکا تھا۔ وہاں رجب نہیں تھا، وہ کوئی سنسان علاقے کا منظر تھا جہاں ایک ٹرک کھڑا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک سیاہ گاڑی تھوڑے فاصلے پہ آ رکی۔ ایک شخص اس سیاہ گاڑی سے نکل کر اس ڈرائیور کی جانب آیا۔ ان دونوں کے فقط لب ہلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ڈرائیور کے چہرے پہ تناؤ واضح تھا۔ البتہ اس سوٹ والے شخص کی اس جانب پشت تھی۔

پھر ڈرائیور کال ملا کر بات کرنے لگا۔ کال بند ہونے کے بعد ان دونوں نفوس کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوئی جس کا ڈرائیور کے چہرے پہ ابھرتے تاثرات سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈرائیور اس سیاہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا اور کچھ پل کی کاروائی کے بعد منظر کچھ یوں تھا کہ ویڈیو میں موجود چہرے چاند کی روشنی میں واضح تھے۔ جن کی تصویریں زوم کر کے اسکرین پہ چلائی بھی جا رہیں تھیں۔ دو جانے پہچانے چہرے جو اکثر میڈیا کو بریفنگ دیتے نظر آتے تھے۔ وہ شرجیل حمدانی اور اس کا پی اے تھا۔ ایک بااثر سیاسی شخصیت اور بزنس کی دنیا کا جانا پہچانا نام!

ویڈیو ختم ہو چکی تھی۔ رجب عباس دوبارہ اسکرین پہ نمودار ہوا۔ سنجیدہ چہرہ لیے وہ ذرا آگے کو ہوا۔ ہاتھ ہنوز ٹیبل پہ تھے۔

"ناظرین اس ویڈیو پہ تجزیہ ہم ذرا کی دیر میں کریں گے لیکن آپ کو بتاتے چلیں کہ یہ وہی ٹرک ہے جو آج صبح میڈیا کے ذریعے پولیس نے اپنی حراست میں لیا اور آپ سب بخوبی اس سے آگاہ ہیں کہ اس ٹرک میں کیا موجود تھا۔" وہ مسکراتا چہرہ اب یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کبھی مسکراہٹ سے آشنا ہی نہ ہو۔ وہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔

www.novelsclubb.com

"منشیات ہر قسم کا نشہ آئس، کوکین، افیون اور ناجانے کیا کیا۔۔۔"اس نے تلخی سے سر کو جھٹکا۔

"اگر یہ ویڈیو میں رات کو ہی اپ لوڈ کر دیتا تو صبح پکڑے گئے ٹرک سے زیتون اور شہد برآمد ہوتے۔ کیونکہ یہاں دیکھے جانے والے شخص کسی تعارف کے محتاج نہیں اور پولیس پہ دباؤ ڈال کے یہ بااثر لوگ حقائق چھپانے کی کوشش کرتے! شاید آئس کو آئس کریم میں بدل دیا جاتا، افیون کو شہد اور زیتون قرار دیا جاتا!"اس کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔ کھوکھلا قہقہہ!

"ناظرین کچھ بااثر لوگوں کے لیے ایک انسانی زندگی کی قیمت کچھ روپیوں سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ لیکن یہ کیوں نہیں سوچا جاتا کہ ایک انسانی زندگی کے ساتھ اور ناجانے کتنی ہی زندگیاں وابستہ ہوتیں ہیں۔ ناجانے کتنے ہی لوگ اس ایک انسانی جان کے مرہون منت ہوتے ہیں جسے یہ لوگ اپنے کالے کاروبار کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ وہ ماں جو پوری عمر اپنی اس اولاد کو دیکھنے کے لیے ترستی ہے جو کسی گلی، چوراہے یا فٹ پاتھ پہ بیٹھا نہ زندوں میں شمار ہوتا ہے نا مردوں

www.novelsclubb.com

میں...."رجب کی آنکھوں کے سامنے بے اختیار وہی آدمی آیا جوان تنگ وتاریک گلیوں میں بغیر کسی خوف کے بند شٹر کے آگے لیٹا تھا۔اس نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"اس عورت کی تکلیف کوئی نہیں سمجھ سکتا جو پل پل اسی خوف میں گزار دے کہ کوئی بھی دھڑلے سے آئے گا اور اس سے اور اس کے بچوں سے گھر کی چھت چھین لے گا کیوں؟؟ کیونکہ اس کے سائباں کا سایہ نہیں اس کے سر پہ....اور اس کی بہن، باپ اور بھائی.....

ناجانے ایک پراسرار جان سے وابستہ کتنی لاچار زندگیاں...."وہ کرخت لہجے میں تیز تیز بولا رہا تھا۔اس کے ہر انداز میں غصہ تھا اور آنکھوں میں درد کسی انجان کے لیے!اس انجان شخص کے لیے جو کل اسے ملا تھا۔یہ تو طے تھا وہ اس کے پاس دوبارہ ضرور جائے گا۔

www.novelsclubb.com

وہ پل بھر کو رکا۔کیا فائدہ ہر روز وہ اسی طرح اپنا پروگرام کرتا تھا سوائے اس کی بات کو مزید بڑھانے کے اس ملک میں کچھ نہیں ہوتا تھا۔کوئی میڈیا کا بیورو چیف'کوئی صحافی'کوئی بااثر شخص اس کا ساتھ نہیں دیتا تھا۔

اس نے تاسف سے سر ہلایا پھر دوبارہ اپنے اسی نرم'میٹھے لہجے میں بولنے لگا۔

"خیر!! کب تک ہم یہی باتیں دہرائیں گے، اب وقت مرض کی تشخیص کا نہیں بلکہ مرض کے علاج کا ہے.... زخم دینے والے کا گریبان پکڑنے کا ہے۔" وہ لہجے بدلنے میں ماہر تھا۔ وہ جانتا تھا کونسا جملہ کس لہجے میں ادا کرنے سے لوگوں کا شدید ردعمل آئے گا اور کون اس کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ظلم کے خلاف بلند کرے گا۔

"میں نے اپنا کام کر دیا اب آپ کی باری، اٹھیں نکلیں باہر..... اپنے عزیزوں کے لیے نکلیں باہر اور اس شخص کے خلاف کٹوائیں ایف آئی آر!! اگر آپ کے بیٹے بھائی اور باپ کی زندگی برباد ہوئی ہے تو کٹوائیں اس کے خلاف ایف آئی آر... استحصال کے بدلے استحصال!!" اس نے ایک لمبا سانس کھینچا۔

www.novelsclubb.com

"عدل و انصاف کا ڈھنڈھورا پیٹنے والوں کے دروازے پیٹو!! انصاف مانگو! کیوں صرف نشہ کرنے والوں کے خاندان suffer کریں؟؟ کیوں بیچنے والے سکون کی زندگی گزاریں؟ اور اسی کے ساتھ اختتام کرتا ہوں!" اس کا پروگرام اب اختتام کو پہنچ رہا تھا۔

"آخر میں ہمارا سلوگن.... ہم انتشار نہیں انصاف چاہتے ہیں!" یہ سلوگن رجب عباس کے ہر سوشل اکاؤنٹ کی بائیو میں تھا۔اور لوگ اس کو رجبی سلوگن کہتے تھے۔

"ناظرین یہ تھا آج کا پروگرام....

ملتے ہیں کل ایک نئے مدعے کے ساتھ

اگر زندگی نے وفا کی...

دعاؤں میں یاد رکھیے گا!

اللہ نگہبان "!!

اس نے ایک سانس میں یہ سارے جملے بولے جو وہ اپنے ہر پروگرام کے اختتام میں کہتا تھا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔اس کا کام پورا ہو چکا تھا۔وہ آہستہ آہستہ چلتا موبائل اسٹینڈ کے پاس رکا پھر ہاتھ بڑھا کر کیمرہ آف کر دیا۔

www.novelsclubb.com

اس کے اندر ایک جنگ چل رہی تھی بے بسی کی جنگ ! کیوں وہ اس قدر بے بس تھا۔ وہ جانتا تھا ڈرگز اسمگلنگ کا کیس چند دن میڈیا اچھالے گا پھر ایک ایک کر کے سب چینلز کے منہ بند کروا دیے جائیں گے اور کیسز سے نمٹنا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے !

اور رجب عباس کی ایک اور کوشش ضائع !

اسی سوچ کے ساتھ وہ مسکرا دیا وہ کونسا باز آنے والا تھا۔

وہ اپنی خوبصورت اور منفرد اسٹڈی روم کی لائبریری کی جانب گھوما۔ جس کی ایک سائیڈ جرنلزم 'بیوروکریسی 'اکنامی 'فلسفے کی کتابوں سے سجی تھی جو اس کے مرحوم باپ کی کتابیں تھیں اور رجب نے یہی سبجیکٹ چوز کیے تھے۔

اور دوسری سائیڈ اس کی ممی کی کتابیں تھیں سنہری جگمگاتے حروفوں والی کتابیں ! رجب کی پسندیدہ ترین کتابیں ! تمام احادیث کی کتابیں !

رجب نے اپنا زیادہ تر وقت اپنے باپ کے ساتھ اسی اسٹڈی روم میں گزارا تھا۔ بیتے سالوں کی خوبصورت یادیں ایک بار پھر تازہ ہو گئیں۔

www.novelsclubb.com

اس کی آنکھوں میں سرخی چھلکی 'وہ بچپن کے دن کتنے حسین تھے جب وہ باپ کی گود میں بیٹھے کتابیں پڑھا کرتا تھا اور وہ ہمیشہ اسے گود میں بیٹھا کر اس کے کان کی جانب جھک کر صرف ایک جملہ کہا کرتے تھے "رجب بیٹا ہمیشہ سچ بولنا "!

یہ جملہ اس وقت نصیحت تھا رجب عباس کے لیے!

اور اب امید!

یہ آواز اس کے کانوں میں ایک امید کی طرح گونجتی رہتی تھی۔

---

www.novelsclubb.com

وہ اپنا کام کر چکا تھا۔اب اسے صرف تماشائی بن کر آگے لگنے والا تماشا دیکھنا تھا۔

وہ اسٹڈی روم سے باہر نکل آیا۔اب اس کا رخ زینوں کی جانب تھا۔رجب کا کمرہ اور اسٹڈی روم سیکنڈ فلور پہ تھے۔زہرا اور رجب کی ماں سفینہ بیگم دونوں کے کمرے نچلے فلور پہ تھے۔

وہ زینوں سے اتر چکا تھا۔ زینوں کے ساتھ ہی لیونگ روم تھا جہاں سے ایل سی ڈی پہ لگے شو کی آواز خاموش فضا میں گونج رہی تھی پھر اس کے قدم خود بخود لیونگ روم کی جانب اٹھتے چلے گے۔

ماں اور زہرا صوفے پہ ایک ساتھ ایل ای ڈی کے سامنے بیٹھیں تھیں۔

وہ شاید نہیں یقیناً اسے ہی دیکھ رہیں تھیں۔ رجب آہستہ آہستہ چلتا لیونگ روم میں داخل ہوا۔ پھر رک کر ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ جو ہق دق سی اس ویڈیو کو دیکھ رہیں تھیں جو ابھی تک دوسرے چینلز پہ چل رہی تھی۔ ان دونوں کو اس ویڈیو میں موجود لوگوں سے کوئی غرض نہیں تھا۔ ان کو فکر اس شخص کی تھی جو ویڈیو بنا رہا تھا۔ رجب عباس !

www.novelsclubb.com

یہ علاقہ کسی تعارف کا محتاج نہ تھا۔ اس سے قبل بھی اس علاقے میں ہونے والی بہت سی ڈیلنگز منظرِ عام پہ آچکی تھیں اور آئے روز نا جانے کتنی ہی لاشوں کی اطلاع یہاں سے ملتی تھی۔

رجب نے گلا کھنکار کر ان دونوں کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ وہ مسکرا رہا۔ وہ اطمینان سے سفینہ بیگم کی جانب دیکھ رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو!

"اچھا تو رجب!! تمہارا ضروری کام یہ تھا جس کی وجہ سے تم رات گئے باہر رہے تھے۔ کیوں ایسی جگہوں پہ جاتے ہو؟" وہ ماتھے پہ بل ڈالے بولیں۔ وہ شاید خفا تھیں۔

"ممی یہ میرا کام ہے!" وہ مسکرا کر شانے اچکا گیا۔ ممی نے سر جھٹکا۔ اسے سمجھانا کم از کم اس جہاں میں ممکن نہیں تھا۔

"میں چائے بناتی ہوں۔" زہرا سفینہ بیگم کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولی اور رجب کے پاس سے ہوتی ہوئی لیونگ روم سے نکل کر دائیں طرف کچن کی جانب بڑھ گئی۔

زہرا بھی اس سے خفا نظر آ رہی تھی۔ خیر اسے کیا.... وہ کونسا باز آنے والا تھا۔

رجب مسکراہٹ دبائے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا سفینہ بیگم کے پاس اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں کچھ دیر پہلے زہرا بیٹھی تھی۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" وہ اپنا رخ سفینہ بیگم کی جانب کیے اپنا ہاتھ ان کے کندھوں پہ پھیلاتے ہوئے بولا۔

"تو کیا نہیں ہونا چاہیے؟" وہ رجب کی جانب دیکھے بغیر بولیں' یعنی وہ واقعی ناراض تھیں اور رجب کے لیے دنیا کا سب سے آسان کام سفینہ بیگم کو منانا تھا۔

رجب ہمیشہ اپنی ماں کو منانے کے لیے ماں والا ہتھیار استعمال کرتا تھا....ایموشنل بلیک میلنگ!

"آپ نے کہا تھا میری جان اللہ کی امانت! اور کوئی ایسا کام نہ کرنا کی امانت واپس لوٹاتے وقت تمہیں اس کے سامنے شرمندگی محسوس ہو!" وہ رسان سے بولتا گیا۔ سفینہ بیگم نے گردن اس کی جانب گھمائی۔ اس کے پاس ہر بات کی توجیہ ہوتی تھی۔

"تو اس کا مطلب یہ تو نہیں تم جہاں مرضی منہ اٹھا کر نکل جاؤ!" وہ ابھی بھی خفا تھیں۔

"سوری۔۔۔!" وہ چھوٹے بچوں کی طرح کان پکڑ کر بولا۔ سفینہ بیگم کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ امڈ آئی۔

"اب تو آپ خفا نہیں ہیں؟" وہ ابرو اچکائے شرارت بھرے انداز میں بولا۔ سفینہ بیگم نے ہلکی سی چت اس کے سر پہ لگائی۔ پھر پل بھر وہ رکی جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

"کیا تم وہ لائن اپنی اسکرپٹ سے کاٹ سکتے ہو!" رجب لب بھینچ گیا۔

"ماں میرے الفاظ اسکرپٹڈ نہیں ہوتے!" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"بس تم اب یہ نہیں کہا کرو گے کہ شاید یہ میری آخری نشست وغیرہ وغیرہ..." ان کے چہرے پہ جھنجلاہٹ واضح تھی۔

"ممی مرنا تو ایک دن ہے نا۔" وہ واقعی بہت ظالم تھا۔

"تو ٹھیک ہے رجب اب سفینہ عباس بھی تمہیں ہر بار کھانا دینے کے بعد یہی کہے گی۔ رجب بیٹا کھانا کھالو شاید یہ میرے ہاتھ کا آخری کھانا ہو۔ پھر سفینہ رہے نا رہے کسے معلوم"!

"ممی!!" وہ دکھ سے بولا۔

"کیا... درد ہوا؟ مجھے اس سے کئی گنا زیادہ تکلیف ہوتی ہے تمہاری اس بات سے!" وہ بھی اسی کی ماں تھی۔

www.novelsclubb.com

"آپ بریگیڈیئر حیدر عباس کے اکلوتے وارث کو یوں بلیک میل نہیں کر سکتیں!" وہ محظوظ سا ہو کر بولا گویا پچھلی بات کا اثر زائل کر سکے۔ یعنی موضوع بدلنا چاہتا ہو اور وہ موضوع بدلنے میں ماہر تھا۔

"میں تو بریگیڈیئر حیدر عباس کی بھی نہیں سنتی تھی.... ان کا بیٹا کیا چیز ہے میرے سامنے!" اور پھر دونوں کا ایک ساتھ قہقہہ گونجا۔ رجب سفینہ بیگم کے کندھے پہ سر ٹکا گیا۔

"تم چائے پیو گے؟" سفینہ بیگم نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"وہ بنا دے گی تو پی لوں گا۔" اس نے کچن کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ تو کچھ کہے بغیر پوری عمر تمہارے نام پہ گزار دے گی!" جواباً وہ خاموش رہا۔

""میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔" سفینہ بیگم یکدم سنجیدگی سے بولیں۔

"اتنی جلدی کیا ہے؟" وہ کندھے اچکا گیا۔

"تم بس ہاں یا نا کرو رجب عباس!"اس کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔وہ کندھے سے سر اٹھائے متحیر سا می کا چہرہ دیکھے گیا۔"ہاں کرو گے تو شادی ہو جائے گی اور اگر۔۔۔"وہ بات اُدھوری چھوڑ گئیں۔

"اور اگر منع کر دیا؟"اس نے بے اختیار پوچھا۔اس کے ذہن میں خطرے کا سائرن بج رہا تھا کہ کہیں زھرا نے تو نہیں کچھ کہہ دیا۔

"تو میں زھرا کا رشتہ کہیں اور طے کر دوں گی۔"اسے لگا کسی نے اس کے چہرے پہ چابک دے مارا ہو۔وہ ششدر سا می کا چہرہ دیکھے گیا۔

وہ حیرت کے مارے چند پل یونہی ممی کا چہرہ دیکھے گیا۔پھر کچھ توقف کے بعد سوچ سمجھ کر بولنا شروع کیا۔

"میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ دونوں میں سے کسی کی بھی جان خطرے۔۔۔۔"سفینہ بیگم نے اس کی بات کاٹی۔

www.novelsclubb.com

"رجب اپنے باپ کی زبان کسی اور کے سامنے بولنا۔مجھے تم کم از کم ایسے جذباتی جملوں سے متاثر نہیں کر سکتے۔ایک عمر تک تمہارے باپ کے یہ جملے سنتی آئی ہوں!"غصے سے وہ قدرے اونچا بول رہی تھیں مگر آخر میں آواز بھیگی تھی۔وہ نظریں چرا گیا۔

سفینہ بیگم صرف اسے ہی دیکھ رہی تھی جیسے آج فیصلہ کر کے ہی دم لیں گیں۔

"کیا آپ سے زھرا نے کچھ کہا؟"وہ سامنے دیکھتے ہوئے قدرے آہستہ بولا۔

"کیا وہ کبھی کچھ کہہ سکتی ہے؟"انہوں نے سوال کے بدلے سادہ سا سوال کیا اور اسے اپنا جواب مل گیا تھا۔یعنی اس نے کچھ نہیں کہا۔

"مجھے ایک ضروری کام ہے،شاید دیر سے گھر واپس آؤں!"وہ اٹھتے ہوئے ذرا عجلت سے بولا۔

"تمہیں اتنی جلدی کیا کام آن پڑا؟"سفینہ بیگم بھی اسی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں۔وہ جواب دیے بغیر لیونگ روم سے نکل گیا۔سفینہ بیگم بھی پریشانی کے عالم میں اس کے پیچھے گئیں۔

لاونج میں پہنچ کر اس نے ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھائی۔

"رجب۔۔۔۔۔"سفینہ بیگم نے اسے پکارا۔

"آپ کا جو دل چاہتا ہے کریں۔مجھے کوئی مسئلہ نہیں!"وہ مڑے بغیر بولا۔پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا دہلیز عبور کر گیا۔زہرا کچن کے دروازے کے ساتھ لگی متذبذب سی سمجھنے کی سعی میں تھی۔ابھی تو ان دونوں کی مسکرانے کی آوازیں کچن تک آ رہی تھیں اور اب۔۔۔۔وہ حیران سی سفینہ بیگم کی جانب دیکھنے لگی۔سفینہ بھی اسے ہی دیکھ رہیں تھیں۔

انہوں نے مسکرا کر سر نفی میں ہلایا کہ کوئی بات نہیں!اور دوبارہ لیونگ روم کی جانب بڑھ گئیں۔

---

www.novelsclubb.com

وہ معمول کے مطابق کھڑکی کے دونوں پٹ کھولے میز پہ سیاہ ڈائری رکھے ہوئے سامنے کرسی پہ بیٹھی تھی۔گلاب کا پھول ایک طرف رکھا تھا۔وہ کہنی میز پہ ٹکائے اپنی ہتھیلی سے چہرے کو

سہارہ دیے ہوئے تھی۔ کھڑکی سے چھن کے آتی چاندنی اس کے چہرے اور ڈائری کے آس پاس بکھری تھی۔

رات کا یہ پہر حائمہ نور کا پسندیدہ ترین وقت تھا۔ گہری ہوتی رات کا خاموش مگر طویل سایہ پہر کسی جھونکے کے زریعے سکون کی نوید سناتا تھا۔ وہ اس پہر سرد ہوا کے جھونکوں کے زیرِ اثر رات کی سیاہی میں چھپا سکون تلاش رہی تھی۔

"اس سیاہی میں کیوں اتنا سکون چھپا ہے؟؟ اس سکون کی گہرائی نور کی منزل پہ کیوں تمام ہوتی ہے؟ کیوں یہ راز ابھی تک راز ہے۔" حائمہ اسی انداز میں بیٹھے یہ سب سوچ رہی تھی۔ پھر وہ ایک سوچ کے تحت سیدھی ہو کر بیٹھی۔ عنبر آنکھوں میں بکھری چاندی اب سمٹ گئی تھی۔ وہاں اب اداسی اتر آئی تھی۔ ایک پل میں پر کشش ماحول اداسی کی زد میں آ گیا تھا۔

"مگر! کچھ لوگوں کے لیے راتیں عذاب ہوتیں ہیں۔ کچھ دلوں پہ یہ سیاہی کسی آگ کی طرح اترتی ہے۔ جانتے ہو وہ لوگ کون ہوتے ہیں؟" یہ سوچ اس کے ذہن کا احاطہ کیے سارے ماحول میں اداس لہر لے آئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"ٹوٹے دل؟؟"ایک آواز اس کے اندر سے اٹھی۔ جھکی عنبر آنکھیں اٹھیں وہاں پھر سے چاندی بکھری تھی۔

"نہیں!!"اس نے سر نفی میں ہلایا۔ پھر کھلی کھڑکی کے پار دیکھا۔ سارے صحن میں چاند کی روشنی بکھری تھی۔ سیاہ رات، چاند، ٹوٹا دل، اداس سماع۔۔۔ ہر متضاد چیز کا خوبصورت 'دلکش سا امتزاج! وہ یاسیت سے مسکرائی۔

"ہاں تو کن دلوں پہ رات کی سیاہی آگ کی طرح اترتی ہے؟"اس کے لب ہلے۔

"وہ جو اپنا دل کسی انجان کے ہاتھ پہ رکھ دیتے ہیں۔ پھر عمر بھر دنیا کی بھیڑ میں اسے تلاشتے ہیں!"ایک پُر سکون سا جواب اس کے لاشعور سے آیا۔ اب ہر طرف مطمئن سی ہوا ماحول میں چلی۔ مگر کچھ پل کے لیے !

ایک اور سوال اس کے ذہن میں ابھرا۔

www.novelsclubb.com

"پھر ٹوٹے دل؟ان کا کیا؟"سوچ میں ڈوبی عنبر آنکھوں میں اب یہی سوال تھا۔پھر کچھ لمحوں بعد اس کے لبوں کو ایک مسکراہٹ سی چھو گئی۔یعنی اسے سوال سمجھ آ گیا۔جب سوال سمجھ آ جائے تو جواب دینا کہاں مشکل ہوتا تھا اس کے لیے! مگر وہ سوالوں کو دیر سے سمجھتی تھی۔

"ٹوٹے دل تو سیاہ راتوں میں سکون پاتے ہیں۔سیاہ آسمان پہ چمکتے تارے اس بات کے گواہ ہیں ٹوٹے دلوں سے نور کی کرنیں پھوٹتی ہے اور پھر ایک مقام پہ ٹوٹا دل چشمہ بن جاتا ہے جس سے صرف نور پھوٹتا ہے۔ "

ہوا کا ایک جھونکا کھڑکی سے اندر آیا۔اس جھونکے سے کھلی سایہ ڈائری کے صفحے پھڑ پھڑائے۔ کھلے سنہری بال بھی ہوا سے الجھے۔حائمہ کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا۔اس کی نظر اب پھڑ پھڑاتے صفحوں پہ تھی۔ہاں اس کے لیے تو وہ ادھر بیٹھی تھی۔وہ مسکرا کر ڈائری کی جانب جھکی۔

"میرے الفاظ اس خوبصورت منظر کے نام!"اس نے یہ کہہ کر سیاہ ڈائری کا خالی صفحہ کھولا۔ اس چاندنی رات میں اس کا عکس صفحے پہ ابھرا۔پھر اس نے ساتھ پڑا قلم اپنے ہاتھ میں لیا اور تھوڑا پیچھے کو ہوئی۔اب صفحے پہ قلم اور اس کے ہاتھ کا عکس تھا۔کسی منظر کو یادگار بنانے کے لیے

کسی فوٹو گراف کی نہیں بلکہ الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لفظوں سے بہتر منظر کشی کوئی ٹیکنالوجی نہیں کر سکتی۔اس نے بے اختیار سوچا۔

آج کا عنوان کیا ہونا چاہیے۔حائمہ عنبر آنکھیں سکیڑے عنوان کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"آف کورس۔۔۔"رات!"وہ مسکرائی تھی۔پھر ڈائری پہ جھکی۔بھوری لٹیں ایک دم سے اطراف سے نکل کر ڈائری پہ گریں۔اس نے جھولتی سنہری لٹوں کو پیچھے کیا۔قلم سے صفحے کی پہلی سطر کے وسط پہ "رات" لکھا۔پھر اگلی خالی سطر پہ قلم کی نوک رکھی۔کچھ لمحے وہ یونہی اپنے دماغ میں لفظوں کو ترتیب دیتی رہی۔ایک پل کو حائمہ نے سر اٹھا کر باہر بکھری روشنی کی جانب دیکھا اور پھر آسمان کو'وہاں سے چاند نظر نہیں آرہا تھا۔اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔پھر ڈائری پہ جھک کر لکھنا شروع کیا۔

"گہری ہوتی رات"!

"اور اس رات کی سیاہی۔۔"

www.novelsclubb.com

قلم چلاتے اس کے ہاتھ لمحے بھر کو تھمے۔ایک راحت نے ہر سو چھائی اداسی کو اندھیرے میں دھکیل دیا تھا۔وہ پر سکون سی دوبارہ قلم چلانے لگی۔پھر اگلی سطر۔۔۔

"سیاہی کی مانند وہ پل۔۔۔"

"جس پل چاند میسر نہ ہو"!

ہاں! باہر چاند نہ تھا یا شاید اس کی نظروں کی حدود سے بہت دور تھا مگر وہ یہاں نہ تھا۔لیکن کچھ چیزوں کی خصوصیت ہوتی ہے وہ نہ ہو کر بھی پاس ہی ہوتی ہیں۔اس نے لاشعوری طور پر چاند کی تلاش ترک کر دی اور کسی خوبصورت احساس کو اس منظر کا حصہ بنا دیا۔شاید محبت کا احساس' یکطرفہ محبت کا احساس!

"چاند وہ نہیں جو افق کا شاہکار ہو"!

"نہ وہ جو روشن کرے زمین کو"!

یہ خوبصورت منظر اس کے ذہن سے اب محو ہوتا چلا گیا اور وہ نا جانے کونسے جہاں کی باسی ہو گئی۔

www.novelsclubb.com

"مگر وہ جو قلب میں کسی مشعل سا"!

"روح میں اتر جائے کسی نور کی مانند"!

اس نے قلم رکھ دیا۔وہ اپنے احساسات کو منظم انداز میں ایک صفحے پہ اتار چکی تھی۔اس نے قلم چھوڑ دیا'کرسی کی پشت کے ساتھ سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

اس نے بے اختیار آج کے دن کو یاد کرنا چاہا۔کوئی منظر'کوئی واقع'کوئی سماں اس کے دماغ کی اسکرین میں نہ ابھرا سوائے اس شخص اور اس سے وابستہ لمحوں کے۔

کوئی حائمہ نور سے پوچھے آج کا دن کتنے گھنٹے کا تھا۔ایک سایہ سا چھپکے سے حائمہ کے پاس آ بیٹھا۔

www.novelsclubb.com

"بتاؤ ذرا آج کا دن کتنے گھنٹے کا تھا؟"وہ ہیولا سا مبہم آواز میں بولا۔

"گھنٹے نہیں منٹ!"وہ سامنے کھڑکی کے پار اندھیرے میں کچھ تلاش رہی تھی۔

"اچھا تو کتنے منٹ؟"نامحسوس انداز میں وہ سایہ دلچسپی سے ذرا کو آگے ہوا۔

"پینتیس منٹ اور چند سیکنڈز شاید!" وہ پر سکون سی چلتی ہوا کی مانند بولی۔ چہرے پہ نرم سا معصومیت بھرا تاثر اور آنکھوں میں امید کہ چمک ستاروں کی سی۔

"تو حائمہ نور کا ایک دن پینتیس منٹ کا ہوتا ہے!" ہیولا محظوظ ہوا تھا۔ گویا کسی کم عقل کی بات سنی ہو۔

"نہیں تو... ایسا کب کہا میں نے۔" اس نے دھیما سا استفسار کیا۔ لہجہ ہنوز میٹھا اور نرم تھا۔

"ابھی تو تم نے کہا!" وہ سایہ ذرا الجھا تھا۔

"صرف آج کا دن پینتیس منٹ کا تھا۔ کل وہ چند سیکنڈز کے لیے دکھا تھا تو کل کا دن چند سیکنڈز کا تھا اور پرسوں کا دن چند سیکنڈز پہ بھی محیط نہ تھا۔"

"کیا وہ نہ ہو گا تو دن شمار نہ ہوں گے؟؟ "

"دن تو کیا سانس بھی کسی گنتی میں شمار نہ ہو گی!!" وہ عنبر آنکھیں جھکا گئی۔ اسے بے اختیار مجتبٰی کی آنکھیں یاد آئی جس میں آج کچھ غیر معمولی تھا۔ پھر وہ کچھ توقف کے بعد بولی۔

"بغیر اس کے زندگی دھواں ہے"!

"دھواں کیوں؟"اور ایک جھونکا اس عکس کو کہیں غائب سا کر گیا۔حائمہ اس "کیوں" پہ غور کر رہی تھی۔کیوں تھا وہ اور کیا تھا؟

اس بار وہ بولی تو اس کی آواز کوئی سوچ 'کوئی سرگوشی نہ تھی۔

"یعنی جس کے وجود کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔جس کا ہر سحر سیاہ ہو مگر یہ سیاہ بے اثر رہے۔"ان اداس عنبر آنکھوں میں یاسیت تھی۔مگر مایوسی نہ تھی۔ان چند لمحوں میں اس کے چہرے سے مسکراہٹ جدا نہ ہوئی۔

چاند کی روشنی میں عنبر آنکھیں بند کیے وہ کچھ پل کے لیے اپنا سر کرسی کے ساتھ ٹکا گئی۔سرخی مائل سفید چہرے پہ چاند کی روشنی بکھری تھی۔چہرے پہ طمانیت کے سارے رنگ بکھرے تھے۔بند آنکھیں کسی شاہکار مصور کی بنائی ہوئی مصوری معلوم ہوتیں تھیں۔لمبی خمدار پلکوں پہ بکھری چاندی کا عکس تھا۔سنہری بال ہمیشہ کی طرح کھلے اور سیدھے تھے جن کی لٹیں چہرے پہ گری تھیں۔

تقدیر نے حائمہ کو حسن سے نوازنے کے ساتھ ساتھ۔۔۔۔اس پر دو اور نوازشیں بھی کی تھی۔

ایک اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ' دوسری اس کی آنکھوں کی اداسی!

حائمہ کچھ پل یونہی بیٹھی اپنی آنکھیں بند کیے اپنے گردوپیش کو محسوس کرنے لگی۔اس کا کمرہ' اس کا گھر' صحن اور پھر ایک وہی شناسا سا چہرہ جسے وہ پل بھر کے لیے بھی بھولا نہیں سکتی۔وہ سر جھٹک کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔اور دوبارہ اپنی سیاہ ڈائری کی طرف متوجہ ہوئی۔اس کی دوست' اس کی ڈائری!

دن کی شروعات کہاں سے ہوئی تھی ہاں ایک ٹکر سے!! وہ زیرِلب مسکرائی۔پھر وہی سارا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔وہ آج کی ہر بات بھلا سکتی تھی مگر مجتبٰی کی آنکھوں کا وہ تاثر' وہ خوشی ناقابلِ بیان تھیں اور حائمہ کے لیے اب ناقابلِ فراموش!

باقی سارا وقت وہ اسی کو سوچتی رہی اور دن کا اختتام ہوا۔

ایک شخص اس کی زندگی کو مٹھی میں دبائے بیٹھا اور وہ شخص لاعلم تھا۔وہ جانتی تھی لاعلمی کے بعد شناسائی کی منازل طے ہوتیں ہیں۔

www.novelsclubb.com

آہ کاش کوئی اسے بتائے کہ شناسائی کے بعد لاتعلقی کا پنہان مقام عیان ہوتا ہے اور پھر عشق کے خانہ بدوشوں کا وہیں بسیرا ہوتا ہے۔

عنبر آنکھیں ڈائری کی جانب جھکیں تھیں۔اس کا ذہن ایک بار پھر لفظوں کے سحر میں الجھا تھا۔وہ لفظوں کو ترتیب دے کر ایک اور سحر کی تخلیق میں مشغول تھی۔

کچھ دیر وہ یونہی کھلی ڈائری پہ قلم چلاتی رہی پھر بالآخر جھکی گردن اٹھی' جھکی پلکوں کے پیچھے چھپی عنبر آنکھیں اٹھیں۔بکھری چاندنی نے پھر ایک بار اس پر کشش چہرے کا طواف کیا۔

اس نے سیاہ ڈائری ہاتھ میں تھامی اور اپنی نگاہوں کے سامنے کیا۔اس کے لکھے الفاظ چاند کے سائے میں تھے اور اس کا ذہن دل کے حال کو دہرا رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

شرطِ دل کیا بھلا معلوم مجھے

آشنا بھی کہاں حالِ دل سے تیرے

تُو ہے' تیرا خیال ہے اور ملاقات کی چاہ

بے سبب سی محبت ہے اور بہت ہے

دید بھی میسر' ہجر کی آگ بھی ہے روشن

نہ میں قریب اس کے' نہ وہ دور مجھ سے

ناجانے کتنی ہی مرتبہ اس کے ذہن نے یہ الفاظ دہرائے تھے' عنبر آنکھیں ڈائری پہ جمی تھیں مگر خیالوں کے پردوں میں صرف ایک چہرہ چھایا تھا.... مجتبیٰ کا چہرہ !

"سر ایک بری خبر ہے!" شہرام تیزی سے دروازہ دھکیل کر زمان جعفر کے کمرے میں داخل ہوا۔ زمان جعفر آرام دہ لباس میں ملبوس لیپ ٹاپ پہ جھکے تھے۔ انہوں نے سر اٹھا کر شہرام کو دیکھا پھر سپاٹ لہجے میں بولے۔

"بولو!" شہرام نے سر کو خم دیا اور سنجیدگی سے بولنا شروع کیا۔

"ھمدانی صاحب کی کل کی ڈیکنگ کی ویڈیو کسی نے...." زمان جعفر کے تاثرات پل میں بدلے۔آنکھوں میں سختی در آئی'مٹھیاں بھینچ گئیں۔

"کس نے؟" انہوں نے کرخت آواز میں پوچھا۔

"وہی اینکر..." شہرام نے بات اُدھوری چھوڑ دی۔وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"رجب عباس؟" زمان جعفر نے سوالیہ ابرو اچکائے۔

"جی سر! بریگیڈیئر کا لڑکا۔۔۔جو خود تو مر گیا لیکن یہ مصیبت چھوڑ گیا۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

"یہ باسٹرڈ اب حد سے بڑھ رہا ہے۔وکیل کو فون کرو،ضمانت تیار کرے قبل از گرفتاری! ھمدانی کو کہو ابھی کوئی بیان نہ دے!" وہ کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتے ہوئے بول رہے تھے۔ ایک پل میں انہوں نے اگلا منصوبہ تشکیل دے دیا مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ رجب ان سے دس قدم آگے بڑھ کر سوچتا ہے۔وہ ایک تکون کو دس طریقوں سے سلجھانا جانتا تھا۔

ھمدانی ان کا بزنس پارٹنر اور سیاست میں زمان جعفر کا حامی تھا۔اس کے علاوہ ایک نیا پروجیکٹ بھی وہ ھمدانی کے ساتھ شروع کرنے والے تھے۔اب ایسے میں ھمدانی کا کوئی اسکینڈل منظر عام پہ آتا۔۔۔تو انگلیاں زمان جعفر پہ بھی اٹھنی تھی۔

"جی سر!"شہرام نے سر کو خم دیا اور وہاں سے نکلنے لگا مگر ضماد کو اندر داخل ہوتے دیکھ رک گیا۔ ضماد کے تاثرات سے واضح تھا کچھ غلط ہو چکا ہے۔ضماد کمرے میں داخل ہوتے ہی زمان جعفر کو مخاطب کر کے اگلا بم پھوڑنے لگا۔

"سر ھمدانی صاحب شام میں ہی گرفتار ہو چکے ہیں۔عبید صاحب نے ان کے خلاف ایف آئی آر کٹوائی تھی اور یہ ویڈیو بھی۔۔۔۔۔"وہ لب بھینچ گیا۔"شاید رجب 'عبید کے ساتھ مل گیا ہے۔"زمان جعفر ششدر سے ضماد کا نیا انکشاف سن رہے تھے۔کیسے یہ شخص اتنا شاطر دماغ ہو سکتا ہے۔سارا منصوبہ بنا کر 'گرفتاری کروا کر... پھر پروگرام کرنے بیٹھ جاتا ہے۔۔۔

"رجب صرف عبید کا استعمال کر رہا ہے! وہ جانتا ہے کس دشمن کو کس دشمن کے خلاف دوست بنانا ہے!"زمان جعفر گہری سوچ میں ڈوبے مدھم آواز میں بولے۔وہ سوچ رہے تھے کہ کس

طرح اس شخص نے ٹرک کا پتہ کروایا' پھر پولیس کو اطلاع دینے کے بجائے خود ہی اس ٹرک کے پیچھے چل پڑا اور صبح وہی منشیات سے بھرے ٹرک پہ چھاپہ مروا کر۔۔۔عبید کو اپنے ساتھ ملا لیا اور حمدانی کی گرفتاری بھی کروا ڈالی! کیا چیز تھا وہ !

"سر۔۔۔۔!" ضماد نے ایک بار پھر انھیں اپنی جانب متوجہ کیا۔ سوچ میں ڈوبے زمان جعفر نے چونک کر ضماد کی جانب دیکھا۔

"کیا؟" زمان جعفر نے سوالیہ ابرو اچکائے۔

ضماد نے آگے بڑھ کر کمرے میں موجود ایل ای ڈی کا ریموٹ اٹھایا اور آن کر کے کسی نیوز چینل پہ روک دیا۔ جہاں ایک خوش شکل لڑکی کسی اسٹیچو کی مانند بیٹھی تیز تیز بول رہی تھی۔

"اور آج کی سب سے بڑی خبر شرجیل حمدانی گرفتار ہو چکے ہیں۔ڈرگز ڈیکنگ کی ایک مبینہ ویڈیو سامنے آئی ہے۔ جس میں شرجیل حمدانی اپنے پی اے کے ساتھ نامعلوم افراد کے ساتھ ڈیل کر رہے ہیں!" ضماد نے آگے بڑھ کر چینل بدلا۔اب اسکرین پہ ایک کم عمر لڑکا نمودار ہوا۔ وہ بھی ہوسٹ تھا اور اسی ڈیل کی بابت بیان کر رہا تھا۔

"ایک اور بڑی خبر آپ کو دیتے چلیں۔ملک کے مختلف تھانوں سے رپورٹ دی گئی ہے۔۔۔۔ تھانوں میں شہریوں کا رش! کوئی اپنے لاپتہ بھائی کی شرجیل ھمدانی کے خلاف ایف آئی آر کٹوانے آیا ہے اور کوئی اپنے باپ کو منشیات کا عادی بنانے پہ شرجیل ھمدانی کے خلاف رپورٹ کروانے۔۔۔۔!!"زمان جعفر کے نقوش تن گئے۔گلے کی گلٹی ڈوب کر ابھری۔

"ملک کے بیشتر علاقوں میں شرجیل ھمدانی کے خلاف احتجاج"!

"کیا بکواس ہے یہ!"وہ چلائے تھے۔"ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔۔۔یہ ضرور عبید کے پالتو کتے ہوں گے جو ہمارے خلاف بھونک رہے ہیں!"زمان جعفر نے اپنی کنپٹی مسلی۔"ان کو میں خود پٹا ڈال لوں گا!"وہ زہر خند ہوئے۔ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔کیسے کوئی الیکشنز کے قریب ان کی پارٹی کو منہ کے بل گرا سکتا ہے۔

"سر اگر ہم اچانک سے ھمدانی صاحب کے حق میں بولیں گے تو ہم بری طرح پھنس سکتے ہیں۔"شہرام کچھ سوچتے ہوئے بولا۔زمان جعفر نے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔بات تو شہرام کی

www.novelsclubb.com

ٹھیک تھی اگر یہ اتحادی ھمدانی کے حق میں بولنے لگے تو عوام سمجھے گی زمان جعفر بھی اس گھناؤنے کاروبار کے حامی ہیں۔

"اور اگر ہم ھمدانی کے حق میں نہ بولے تو وہ نمک حرام پتہ نہیں ہمارے خلاف کیا کیا اُگل دے گا۔" زمان جعفر کی سوچوں کو تسلسل ضماد نے توڑا۔

"ابھی کوئی بیان نہ دو! نیوٹرل رہو! میں اس کا حل نکالتا ہوں۔" پھر زمان جعفر نے نگاہیں اٹھا کر ضماد کی جانب دیکھا۔ "حاکم کی واپسی کب ہے؟" "ضماد 'میر حاکم (زمان جعفر کا بیٹا) کا پی اے تھا۔ کچھ دنوں سے ضماد 'حاکم کے ساتھ دبئ میں رہ رہا تھا۔ ضماد کی واپسی بھی آج صبح ہی ہوئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"حاکم سرکل تک آجائیں گے!" زمان جعفر نے سر کو خم دیا۔

"اس مسئلے سے میر حاکم خود نمٹ لے گا!" وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ ضماد اور شہرام بھی انہی کے پیچھے ہو لیے۔

وہ لاؤنج میں آئے تو باہر سے گاڑیاں رکنے کی آواز آئی اور اگلے چند لمحوں میں پلوشہ زمان داخلی دروازے سے اندر آتی ہوئی نظر آئیں۔زمان جعفر کے تنے نقوش ڈھیلے پڑے اور چہرے پہ مسکراہٹ امڈ آئی۔

پلوشہ نے بھی نظریں اٹھا کر اپنے باپ کی جانب دیکھا۔وہ اسے ہی دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ پلوشہ بھی مسکرا دی۔اس کے چہرے پہ تھکن واضح تھی۔

پھر اس کی نظر شہرام پہ پڑی اور اس کے پیچھے آتے ضماد پہ 'ایک پل لگا تھا پلوشہ کی دنیا تھمنے میں۔۔۔۔اسے لگا وہ پھر اسی گھنے جنگل میں بے یار و مددگار کھڑی ہے اور کوئی اس کے بے حد قریب کھڑا اسے باحفاظت گھر لے جانے کا وعدہ کر رہا ہے۔وہ سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ موبائل پہ جھکا تھا۔ایک پل کو اسے خود پہ کسی کی نظروں کی حدت محسوس ہوئی۔اس نے نظریں اٹھائیں اور پلوشہ اسی لمحے نظریں پھیر کر زمان جعفر کی جانب بڑھ گئی۔"بھلا یہ مجھے کیوں دیکھنے لگیں!"وہ کندھے اچکا گیا۔

www.novelsclubb.com

زمان جعفر نے آگے بڑھ کر پلوشہ کو اپنے ساتھ لگایا۔"کچھ دیر نہیں کر دی آپ نے؟ "

"گاڑی خراب ہو گئی تھی!"وہ ان سے جدا ہوتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی۔

"جائیں آپ آرام کر لیں! کافی تھکی ہوئی لگ رہیں ہیں۔"وہ نرمی سے بولے۔

پلوشہ سر ہلا کر زینوں کی جانب بڑھ گئی۔

---

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP: